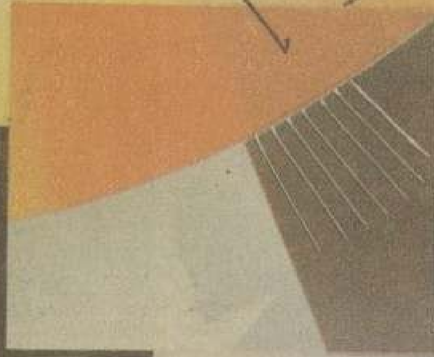
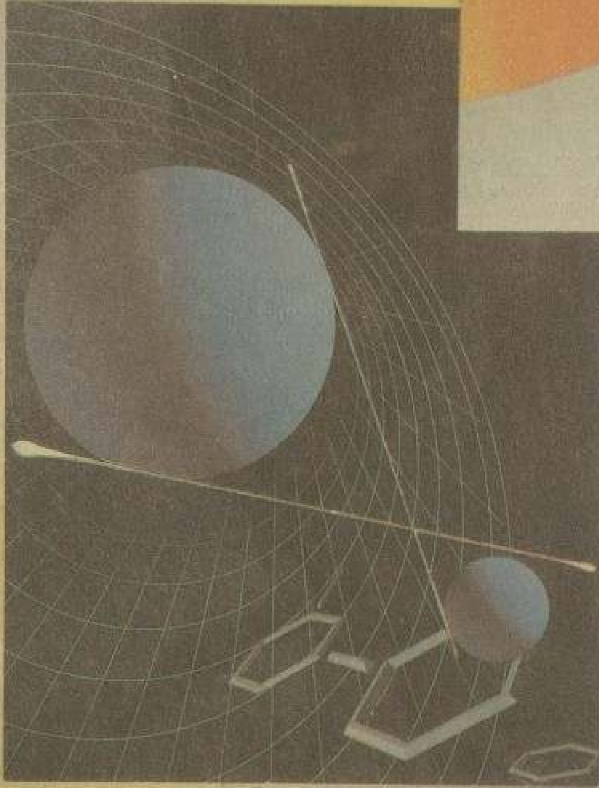
معاشرتی علوم 8

برائے جماعت ہشتم

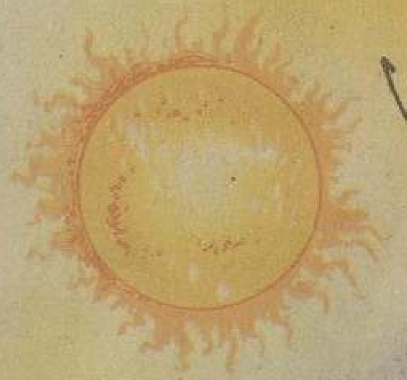














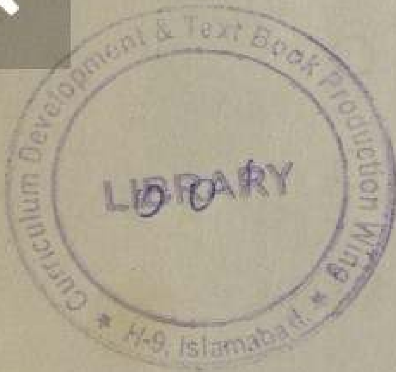
بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ، کوئٹہ

Rana 28/5/03

مُعاشرتی عُلوم

برائے جماعت ہشتم





پبلشرز

قاسم بُک ڈپو، آرچر روڈ، کوئٹہ

برائے

بلوچستان ٹیکسٹ بُک بورڈ، کوئٹہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب : 1

کائنات (UNIVERSE)

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات بہت وسیع ہے۔ ہماری یہ کائنات دنیا میں موجود ہر اُس شے پر مشتمل ہے جو ہر جگہ موجود ہے تمام ستارے (Stars) سیارے اور کہکشاں (Galaxy) وغیرہ اِس کائنات کا حصّہ ہیں۔ اللہ تعالٰے نے ستاروں سیاروں، اور کہکشاں کے بے شمار نظام قائم کئے ہیں۔ ان سب نظاموں کے مجموعے کو کائنات کہتے ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ستارے کیا ہیں ؟ یہ کیوں روشن نظر آتے ہیں ؟ ستارے دراصل روشنی کے بہت بڑے بڑے منبع ہیں اور ہمارے سورج سے بھی سینکڑوں ہزاروں گنا بڑے ہیں، لیکن چھوٹے اِس لیے دکھائی دیتے ہیں کہ یہ ہماری زمین سے اِتنے زیادہ فاصلے پر ہیں کہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ستاروں کے علاوہ سیارے بھی ہیں۔ ان کی اپنی روشنی نہیں ہوتی لیکن جب کسی ستارے کی روشنی اِن پر پڑتی ہے تو یہ روشن دِکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر زمین (Earth) ایک سیارہ ہے۔

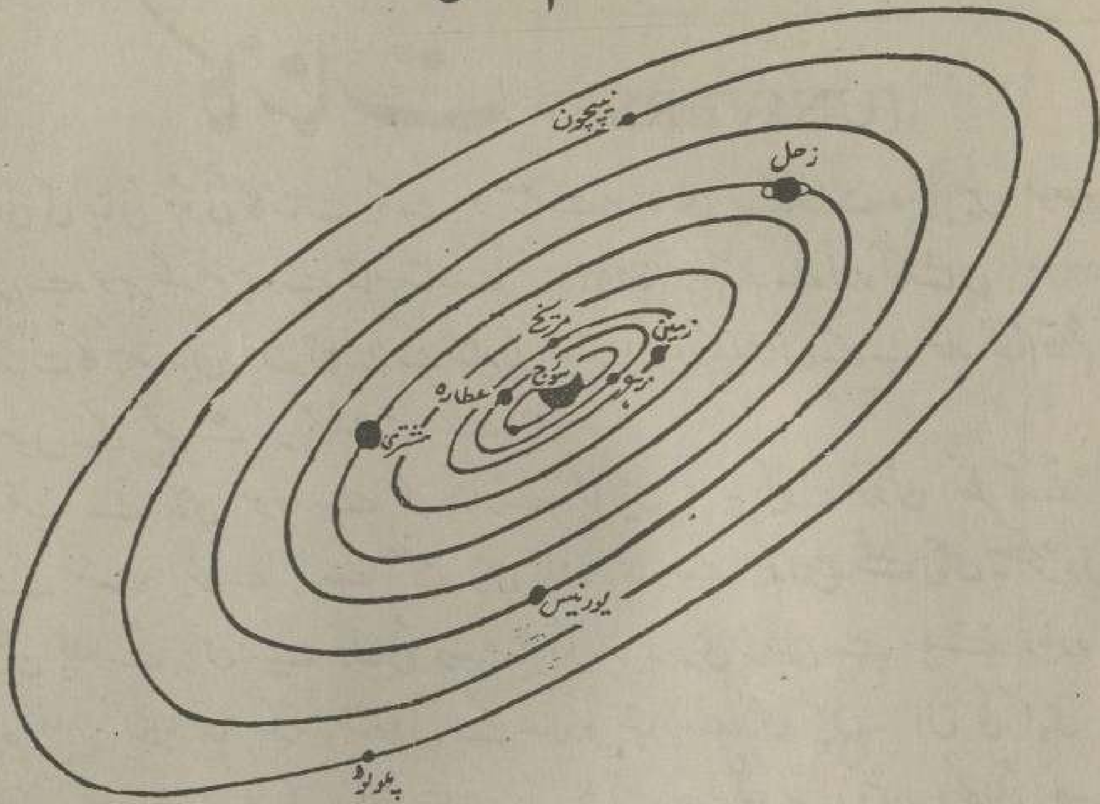
(ا) نظامِ شمسی

ہمارا سورج ایک ستارہ ہے۔ اِس کے گرد نو سیارے چکر لگا رہے ہیں۔ اِن سیاروں میں سے کئی کے گرد چاند چکّر لگا رہے ہیں۔ سورج سیاروں اور چاند کے اِس نِظام کو نظامِ شمسی (Solar System) کہتے ہیں۔

سورج نظامِ شمسی کا مرکز ہے۔ یہ زمین کو حرارت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ زمین سے سورج کا فاصلہ 149 ملین کلومیٹر ہے۔ زمین سورج کے گرد $365\frac{1}{4}$ دن۔ ہمارا کیلنڈر سال 365 دن کا ہوتا ہے۔ ہر چار سال بعد کیلنڈر سال میں ایک دن کا اضافہ کردیا جاتا ہے جبکہ فروری کا مہینہ 28 کی بجائے 29 دن کا ہوتا ہے۔ اسے لیپ کا سال کہتے ہیں۔ یعنی لیپ کے سال میں فروری کا مہینہ 29 دن کا ہوتا ہے۔) میں ایک چکّر پورا کر لیتی ہے۔ لیکن دوسرے سیارے مختلف عرصوں میں سورج کے گرد چکّر لگاتے ہیں۔

سیاروں کے بارے میں چند اہم معلومات اگلے صفحے پر دیے گئے گوشوارے میں دی جا رہی ہیں :

نظامِ شمسی



نمبر شمار	سیارے کا نام	قطر (کلومیٹروں میں)	سورج سے فاصلہ (کلومیٹروں میں)	سورج کے گرد گردش کی مدت	اہمیت
1	عطارد Mercury	4880	579,00,000	88 دن	سب سے چھوٹا اور سورج سے قریب ترین
2	زہرہ Venus	12,104	10,82,00,000	225 دن	زمین سے قریب ترین
3	زمین Earth	12,740	14,96,00,000	$365\frac{1}{4}$ دن	
4	مریخ Mars	6,787	22,70,00,000	687 دن	
5	مشتری Jupiter	1,43,80	74,83,00,000	$11\frac{3}{4}$ سال	سب سے بڑا سیارہ
6	زُحل Satura	120,00	1,42,58,00,000	$29\frac{1}{2}$ سال	
7	یورینس Uranus	51,820	2,86,94,00,000	84 سال	
8	نیپچون Neptune	49,500	4,49,16,00,000	$164\frac{3}{4}$ سال	
9	پلوٹو Ploto	6,000	5,90,77,00,000	$247\frac{3}{4}$ سال	سورج سے سب سیاروں کی نسبت زیادہ فاصلے پر واقع ہے

(ب) نظامِ شمسی میں زمین کا مقام

زمین سورج 14,96,00,000 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ زمین ہی نظامِ شمسی کا ایک ایسا سیارہ ہے جس پر زندگی کی چہل پہل موجود ہے۔ یہ زندگی سورج کی وجہ سے ہے کیونکہ زندگی کے لیے جو حرارت اور روشنی ضروری ہے وہ سورج سے حاصل ہوتی ہے۔

زمین ہر وقت دو طرح سے گردش کرتی رہتی ہے۔ اس کی پہلی گردش اس کے محور کے گرد ہوتی ہے یہ اس کی محوری گردش کہلاتی ہے۔ زمین کی یہ گردش 24 گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے زمین کی اِس گردش سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کی دوسری گردش سورج کے گرد ہوتی ہے۔ زمین سورج کے گرد اپنی یہ گردش $365\frac{1}{4}$ یا ایک شمسی سال میں مکمل کرتی ہے۔ زمین کی اس گردش سے موسم پیدا ہوتے ہیں۔

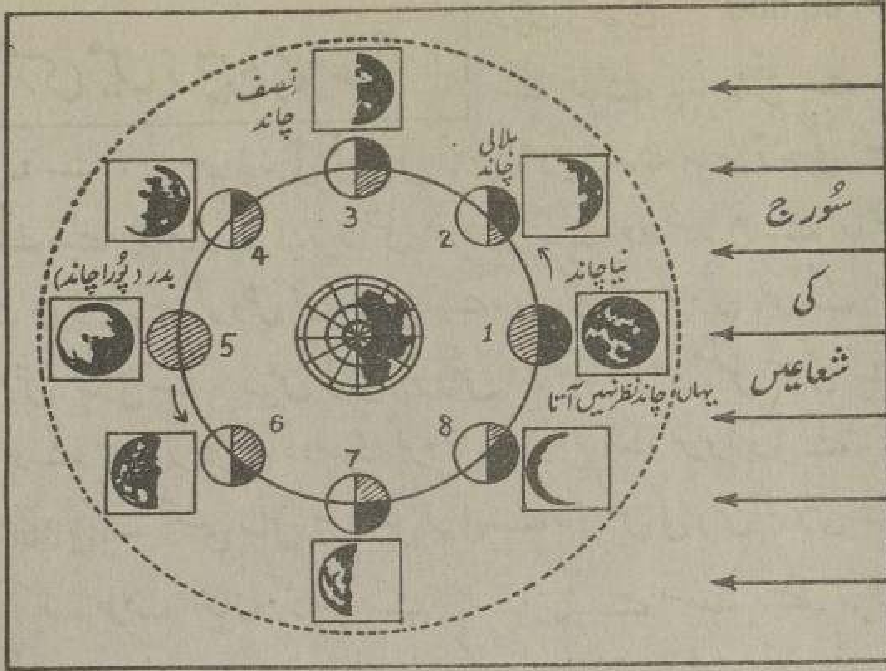
زمین کے ایک طرف سیارہ زہرہ ہے جو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے لیکن چونکہ یہ زمین کی نسبت سورج سے زیادہ نزدیک ہے اِس لیے اتنی شدید گرمی پڑتی ہے کہ زندگی ممکن نہیں۔

زمین کی دوسری طرف سیارہ مریخ ہے جس کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اس سیارے پر زندگی ممکن ہو سکتی ہے۔

زمین کے علاوہ نظامِ شمسی کے دُوسرے تمام سیارے یا تو سورج کے اِتنے قریب ہیں کہ ان پر شدید گرمی پڑتی ہے اور درجۂ حرارت اِتنا ہوتا ہے کہ کوئی بھی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا یا وہ سورج سے اِتنے دُور ہیں کہ ان تک سورج کی بہت کم حرارت پہنچتی ہے اور اتنی سخت سردی پڑتی ہے کہ زندہ رہنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالےٰ نے صرف زمین کو سورج سے اِتنے فاصلے پر رکھا ہے کہ اُس تک اتنی روشنی اور حرارت پہنچتی رہے جو زندگی کے لیے ضروری ہے اور زمین پر اِنسان کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں۔ اس لیے نظامِ شمسی میں زمین کا مقام سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

چاند: چاند زمین کی طرح گول ہے۔ چاند کی سطح زمین کی طرح ٹھوس ہے۔ لیکن چاند پر ہوا اور پانی موجود نہیں اس لئے چاند پر زندگی بھی موجود نہیں۔ چاند سورج کی طرح خود روشن نہیں۔ جب سورج کی روشنی اس پر پڑتی ہے۔ تو یہ ہمیں روشن دکھائی دیتا ہے۔ چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اور ساڑھے انتیس دن میں ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔ زمین کے ساتھ ساتھ چاند سورج کے گرد بھی گھومتا ہے۔ چاند اپنے محور کے گرد بھی گھومتا ہے، لیکن اس کا ایک حصّہ ہمیشہ سورج کی طرف رہتا ہے اور دُوسرا حصّہ



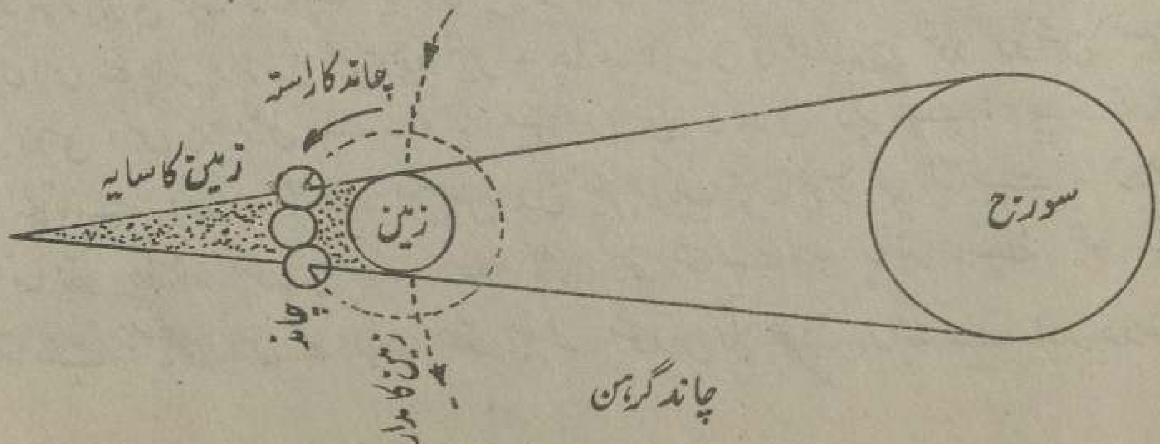
ہمیشہ تاریک رہتا ہے۔

قمری مہینے کے پہلے روز جب چاند مغرب سے نکلتا ہے تو بہت پتلا نظر آتا ہے۔ پہلی رات کے چاند کو "ہلال" (Crescent) کہتے ہیں۔ اِس کے بعد آہستہ آہستہ چاند کا زیادہ حصّہ روشن ہوتا جاتا ہے اور چودھویں رات کو مکمل چاند نظر آنے لگتا ہے۔ چودھویں کے چاند کو بدر (Full Moon) کہتے ہیں۔ اِس کے بعد چاند گھٹنے لگتا ہے اور قمری مہینے کی آخری ایک یا دو راتوں کے دوران بالکل غائب ہو جاتا ہے۔

چاند کی سطح زمین کی طرح ٹھوس ہے لیکن چاند پر ہوا اور پانی موجود نہیں، اِس لیے چاند پر زندگی بھی موجود نہیں۔

چاند گرہن (Lunar Eclipse):

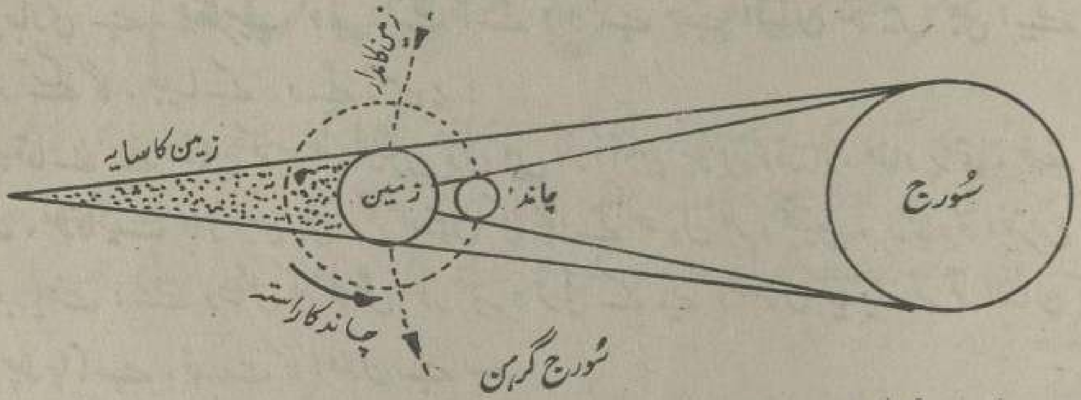
زمین سُورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ گردش کرتے ہُوئے جب زمین، سُورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے تو یہ سُورج کی روشنی کو روک لیتی ہے اور اسے چاند تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اِس طرح ہمیں چاند نظر نہیں آتا۔



اس کو چاند گرہن کہتے ہیں۔ اگر پُورا چاند نظر نہ آئے تو اس کو مکمل چاند گرہن کہتے ہیں۔ اور اگر چاند کا کچھ حصّہ نظر نہ آئے تو اسے جُزوی چاند گرہن کہتے ہیں۔

سُورج گرہن : (Solar Eclipse)

جب چاند گردش کرتا ہُوا سورج اور زمین کے درمیان آ جاتا ہے تو یہ تھوڑی دیر



سُورج گرہن

کے لیے سُورج کی روشنی کو زمین تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اور سُورج نظر نہیں آتا، اُسے سُورج گرہن کہتے ہیں۔ اگر سُورج کا پورا حصّہ چُھپ جائے تو اس کو مکمل سُورج گرہن اور اگر کچھ حصّہ نظر نہ آئے تو اسے جزوی سُورج گرہن کہتے ہیں۔

خلائی تحقیق :

انسان مختلف قدرتی اور خود ساختہ ذرائع کے بل پر روئے زمین کا احاطہ کرتے ہوئے 1903 میں پہلی ہوائی پرواز کے ساتھ فضائی دور اور دوسری جنگِ عالمگیر 1939 تا 1945 کے بعد خلائی دور (Space Age) میں داخل ہوا۔

خلائی تحقیق کے سلسلے میں سابقہ سویت یونین نے سب سے پہلے پیشرفت کی اور 4 اکتوبر 1957 اپنا پہلا سپوٹنیک sputnik خلا میں بھیجا جو 18 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑا اور 630 میل بلندی پر پرواز کرتا رہا۔ اِسی سال 3 نومبر کو روس نے اپنا دوسرا سپوٹنیک خلا میں بھیجا جس میں ایک لائیکہ نامی کُتیا نے خلا کے چکر لگائے۔ 12 اپریل 1961 کو دُنیا کا پہلا رُوسی خلانورد Astronaut یُوری گاگارین Yuri Gagarin 27 سال کی عمر میں خلا میں پرواز کر کے آیا اور 1963 میں پہلی عالمی اور رُوسی خاتون وَیلینٹینا ٹیرش کوفا Valentina Tereschkova 26 سال کی عمر میں خلا سے ہو آئی۔

روس کے اِن کامیاب خلائی تجربات نے امریکہ کی آنکھیں کھول دیں اور اہلِ امریکہ کی نیندیں حرام ہو گئیں چنانچہ 1958 میں پہلا امریکی سیٹلائٹ Satellite خلا میں گیا اور 21 جولائی 1969 کو امریکی خلاباز نیل آرم سٹرانگ Neil Armstrong (پیدائش 1930) پہلی دفعہ چاند کی سطح پر اُترا اور چہل قدمی کرتا رہا۔ واپسی پر اُس نے کہا "یہ ایک فرد کے لیے چھوٹا سا قدم ہے لیکن بنی نوع انسان کے لیے یہ ایک

بہت بڑی چھلانگ ہے"۔

اسکے بعد تو گویا خلا میں امریکی اور روسی خلا نوردوں کا تانتا بندھ گیا جو اب تک جاری ہے ۔ وہ بہت سی نئی معلومات ، نمونے ، تصاویر اور تجرباتی نتائج لائے ۔

اُس وقت ایک خلائی سفر پر 25 بلین (=ارب) ڈالر خرچ ہوتا تھا جو اب کافی کم ہو گیا ہے ۔ سوویت یونین تو دسمبر 1991 میں ختم ہو گیا ۔ اور روس اِتنا با وسائل نہیں رہا لیکن امریکہ وغیرہ میں تحقیق جاری ہے ۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب انسان خلا میں بھی ایسے ہی سیر و سیاحت کر سکے گا ۔ جیسا کے روئے زمین پر !

اللہ تعالےٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں اگر اُنہیں ہوس اقتدار، مفاد پرستی ، طبقہ پروری، فرقہ واریت ، علاقائیت اور ایسی ہی دیگر لعنتوں کی بجائے حصول علم ، تحقیق ، ایجاد و اختراع ، قوانینِ قدرت کی دریافت ، نئے وسائل کی تلاش اور تعمیر و ترقی کے لیے استعمال کیا جائے تو انسان آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ قدرت کا اعلان ہے ؎

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

سوالات

1- نظامِ شمسی کسے کہتے ہیں ؟
2- ستارے اور سیارے میں کیا فرق ہے ؟
3- چاند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟ اِس پر 1969 میں کون اُترا اور اُس نے واپسی پر کیا کہا؟
4- سُورج گرہن کیسے لگتا ہے ؟
5- مندرجہ ذیل فقرات پُر کیجیے :

(i) نظامِ شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ـــــ ہے۔ (ii) زمین سے قریب ترین سیارہ ـــــ ہے۔
(iii) پہلی رات کے چاند کو ـــــ کہتے ہیں۔ (iv) چاند ـــــ دن میں زمین کے گرد چکر لگالیتا ہے۔
(v) جب زمین ، سُورج اور چاند کے درمیان آ جاتی ہے تو ـــــ گرہن ہوتا ہے۔
(vi) ٹیرش کوفانے ـــــ سال کی عمر اور یُوری گاگارین نے ـــــ سال کی عمر میں خلا کا چکر لگایا۔

عملی کام

1- نظامِ شمسی کا چارٹ بنائیے ۔
2- چاند گرہن اور سُورج گرہن کی اشکال بنائیے ۔
3- پہلے رُوسی اور امریکی خلا بازوں کی تصویریں اپنے البم میں لگائیے ۔

باب : 2

کرۂ ارض پر خشکی اور پانی کی تقسیم

کرۂ ارض پر خشکی بھی ہے اور پانی بھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہماری زمین کا 29 فیصد حصّہ خشکی پر اور 71 فیصد حصّہ پانی پر مشتمل ہے۔ خشکی کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو برِّاعظم اور پانی کے بڑے بڑے علاقوں کو بحر کہتے ہیں۔ پانی کے نسبتاً چھوٹے حصّوں کو بحیرے کہتے ہیں۔

برِّاعظم اور بحر دونوں انسان کے لیے بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ برِّاعظم انسان کو بے شمار وسائل مہیّا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ بڑے بڑے شہر اور بستیاں قائم کرتا ہے۔ انسان اِن وسائل کو استعمال میں لاکر اِنسانی زندگی کو مزید آرام دہ بناتا ہے۔ اِن وسائل سے وہ مکانات بناتا ہے۔ مختلف فصلیں اُگاتا ہے اور معدنیات نکال کر بے شمار مفید اشیاء بناتا ہے۔ میٹھے پانی کے ذخیرے بھی خشکی ہی پر موجود ہیں۔ جن سے اِنسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ غرضیکہ زندگی کی اکثر آسانیاں اور چہل پہل خشکی ہی کی وجہ سے ہے۔

سمندروں سے بھی انسان کو بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے آب وہَوا معتدل رہتی ہے۔ سمندروں سے مچھلی حاصل ہوتی ہے جو انسان کی اہم خوراک ہے۔ اس کے علاوہ نمک اور کئی دوسری معدنیات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ سمندر تجارت کا سب سے سستا ذریعہ ہیں

برِّاعظم : دُنیا کے برِّاعظم مندرجہ ذیل ہیں :

1 - ایشیا   2 - افریقیہ   3 - شمالی امریکہ   4 - جنوبی امریکہ

5 - انٹارکٹیکا   6 - یورپ   7 - آسٹریلیا

برِّاعظم ایشیا : آبادی اور رقبے کے لحاظ سے ایشیا دُنیا کا سب سے بڑا برِّاعظم ہے۔ اس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، جنوب میں بحرِ ہند اور مشرق میں بحرالکاہل ہیں۔ اس کے مغرب میں کوہ یورال، کوہ قاف، بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم ہیں جو ایشیا کو برِّاعظم یورپ سے الگ کرتے ہیں۔

دُنیا کا سب سے اُونچا پہاڑ ہمالیہ اسی برّاعظم میں واقع ہے۔ سب سے بلند سطح مُرتفع پامیر جسے دُنیا کی چھت بھی کہتے ہیں، برّاعظم ایشیا ہی میں ہے۔ اِس کے علاوہ دُنیا میں سب سے بڑا میدان سائبیریا، سطح سمندر سے نیچا مقام بحیرہ مُردار، دُنیا کی سب سے بڑی جھیل کیسپین، سب سے گہری جھیل بیکال، سب سے زیادہ سرد مقام ورخویانسک، سب سے گرم مقام جیکب آباد، زیادہ بارش کا مقام چراپونجی، سب سے زیادہ آتش فشاں پہاڑ، سب سے زیادہ گنجان آباد اور غیر آباد علاقے، مختلف قسم کی گھاس اور جنگلات اسی برّاعظم میں پائے جاتے ہیں۔ اِسی لیے ایشیا کو اِنتہائی خصُوصیّت کا برّاعظم بھی کہا جاتا ہے۔

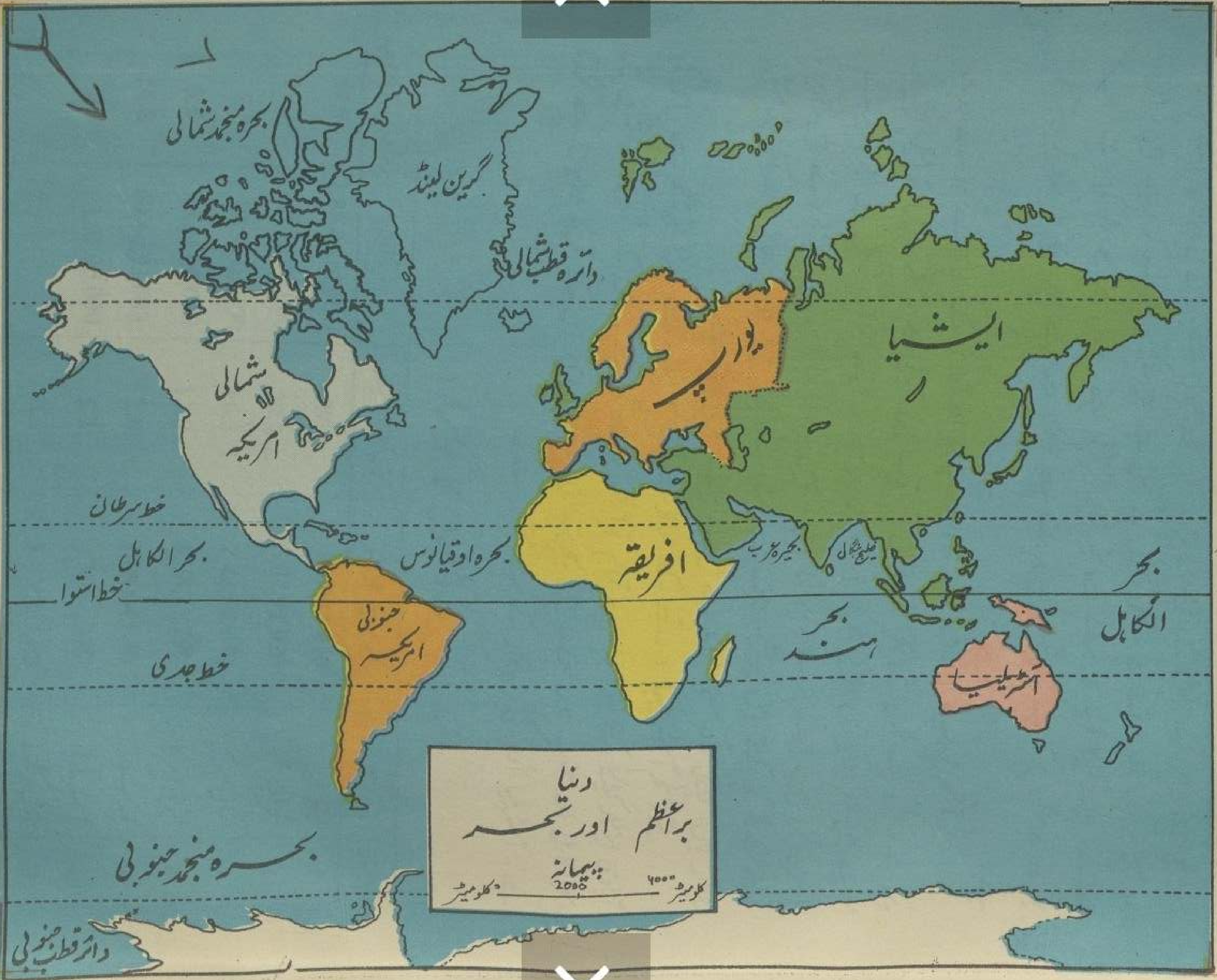
برّاعظم افریقہ : رقبے کے لحاظ سے دوسرا بڑا برّاعظم ہے۔ آبادی کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر ہے۔ پہلے یہ برّاعظم ایشیا سے مِلا ہُوا تھا، لیکن نہر سویز بن جانے سے یہ ایشیا سے علیٰحدہ ہو گیا۔ اس کے شمال میں بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم، جنوب اور مشرق میں بحرِ ہند اور مغرب میں بحرِ اوقیانوس ہے۔ خطِ استوا اس کے عین درمیان سے گزرتا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصّہ خطِ سرطان اور خطِ جدی کے درمیان یعنی منطقہ حارہ میں واقع ہے۔

اِس برّاعظم میں بہُت سی جھیلیں واقع ہیں۔ دُنیا کا سب سے بڑا صحرا جسے صحرائے اعظم کہتے ہیں اور دُنیا کا سب سے لمبا دریا دریائے نیل (6,632 کلومیٹر) اِسی برّاعظم میں واقع ہیں۔ افریقہ کو جنگلی جانوروں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔

برّاعظم شمالی امریکہ : رقبے کے لحاظ سے دُنیا کا تیسرا برّاعظم ہے اور آبادی کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہے۔ اِس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، جنوب میں جنوبی امریکہ مشرق میں بحرِ اوقیانوس اور مغرب میں بحرالکاہل ہیں۔ اِس کی شکل ایک بے ڈھنگی تکون سے ملتی ہے۔ اس کے وسط میں بڑی بڑی جھیلوں کا سلسلہ واقع ہے۔ زرعی اور صنعتی لحاظ سے یہ برّاعظم بہُت ترقی یافتہ ہے۔ دُنیا کی مشہُور آبشار نیاگرا اِسی برّاعظم میں ہے۔

برّاعظم جنوبی امریکہ : رقبے کے لحاظ سے چوتھے اور آبادی میں پانچویں نمبر پر ہے۔ اس کی شکل مثلث جیسی ہے۔ اس کے شمال میں شمالی امریکہ، جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی، مشرق میں بحرِ اوقیانوس اور مغرب میں بحرالکاہل واقع ہیں۔ اِس برّاعظم کا مشہور دریا ایمیزن ہے۔

برّاعظم اینٹارکٹیکا : رقبے کے لحاظ سے پانچواں بڑا برّاعظم ہے۔ یہ قطب جنوبی


دنیا
براعظم اور بحر
پیمانہ
کلومیٹر ۴۰۰۰
۲۰۰۰
۰ کلومیٹر
بحرہ منجمد شمالی
گرین لینڈ
دائرہ قطب شمالی
شمالی امریکہ
یورپ
ایشیا
افریقہ
جنوبی امریکہ
آسٹریلیا
خط سرطان
بحر الکاہل
خط استوا
خط جدی
بحرہ اوقیانوس
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند
بحر الکاہل
بحرہ منجمد جنوبی
دائرہ قطب جنوبی

پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں چاروں طرف بحرِ منجمد جنوبی ہے۔ اس کی آبادی ایک ہزار سے بھی کم ہے اور صرف ان سائنس دانوں پر مشتمل ہے جو سائنسی تجربات کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے اینٹارکٹیکا دُنیا کا سب سے غیر آباد برّاعظم ہے۔ یہاں پر چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے۔ یہ سارا سال برف سے ڈھکا رہتا ہے اور دُنیا کا سرد ترین برّاعظم ہے۔

برّاعظم یورپ : رقبے کے لحاظ سے چھٹے اور آبادی کے لحاظ سے دوسرے درجے پر ہے۔ اس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، جنوب میں بحیرۂ روم، مشرق میں برّاعظم ایشیا اور مغرب میں بحرِ اوقیانوس واقع ہیں۔ یورپ میں زیادہ تر ایسے ممالک شامل ہیں جو جزیرے یا جزیرہ نما ہیں۔ بڑے بڑے جزیرہ نما اٹلی، سپین، ڈنمارک، سویڈن اور ناروے ہیں۔ جزیرہ نما ایسے علاقے کو کہتے ہیں جو تین طرف سے سمندر سے گھرا ہُوا ہو۔ برطانیہ اور آئرلینڈ مشہور جزائر ہیں۔ زرعی اور صنعتی لحاظ سے یورپ بہُت ترقّی یافتہ ہے۔

برّاعظم آسٹریلیا : رقبے کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے چھوٹا برّاعظم ہے۔ اس کی آبادی اینٹارکٹیکا کے سوا دوسرے تمام برّاعظموں سے کم ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں بحرالکاہل اور جنوب اور مغرب میں بحرِہند ہیں۔ خطِ جدی اس کے قریباً درمیان سے گزرتا ہے۔ آسٹریلیا اُون کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔

برّاعظموں کا گوشوارہ

نمبر شمار	برّاعظم	رقبہ مربع کلومیٹر	کرۂ ارض کا فیصد	آبادی	عالمی آبادی کا فیصد
1	ایشیا	4,40,27,410	29.7	2,85,05,67,000	59.9
2	افریقہ	3,02,71,920	20.4	53,10,00,000	11.2
3	شمالی امریکا	2,42,57,940	16.3	39,50,00,000	8.3
4	جنوبی امریکا	1,78,21,790	12.0	26,24,00,000	5.5
5	یورپ	1,04,04,030	7.0	69,64,33,000	14.6
6	آسٹریلیا	76,81,940	5.2	1,55,00,000	0.3
7	اینٹارکٹیکا	1,32,09,000	8.9		

سمندر :

دُنیا کے بڑے بڑے سمندر مندرجہ ذیل ہیں :

1- بحرالکاہل 2- بحرِ اوقیانوس 3- بحرِ ہند 4- بحرِ منجمد شمالی

5- بحرِ منجمد جنوبی۔

1- **بحرُالکاہل** : دُنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے۔ یہ زمین کے ایک تہائی حصّے پر پھیلا ہُوا ہے۔ اِس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی، مشرق میں شمالی اور جنوبی امریکہ کے برّاعظم اور مغرب میں ایشیا اور آسٹریلیا کے برّاعظم واقع ہیں۔ اِس کی اوسط گہرائی 4300 میٹر ہے۔ اس بحر میں بہُت سے بحیرے ہیں جن میں بحیرہ جاپان اور بحیرہ چین مشہُور ہیں۔ چونکہ اِس کا ساحل زیادہ کٹا پھٹا نہیں اس لیے یہاں قدرتی بندرگاہیں بہت کم ہیں۔ اس کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ بہُت سے بلند پہاڑ پھیلے ہُوئے ہیں جو آتش فشانی اور زلزلوں کے لیے مشہُور ہیں۔ بحرالکاہل دُنیا کے دوسرے سب سمندروں سے زیادہ گہرا ہے۔ دُنیا کا سب سے گہرا علاقہ جاپان کے قریب اسی سمندر میں واقع ہے جس کی گہرائی 10915 میٹر ہے۔

2- **بحرِ اوقیانوس** : دنیا کا دوسرا بڑا سمندر ہے۔ اِس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی، مشرق میں یورپ اور افریقہ کے برّاعظم اور مغرب میں شمالی اور جنوبی امریکہ واقع ہیں۔ یہ انگریزی حرف S کی شکل میں پھیلا ہُوا ہے۔ اِس سمندر کے مشہُور بحیرے بحیرہ روم، بحیرہ بالٹک اور بحیرہ کریبین ہیں۔ چونکہ بحرِ اوقیانوس کا ساحل کٹا پھٹا ہے، اس لیے اس کے ساحلوں پر بہُت سی قدرتی بندرگاہیں واقع ہیں۔ اِس بحر کے اِرد گِرد دُنیا کے آباد ترین اور ترقی یافتہ ممالک واقع ہیں۔ اِن لیے یہ دُنیا بھر کی ایک عظیم تجارتی شاہراہ بن گیا ہے۔

3- **بحرِ ہند** : یہ دُنیا کا تیسرا بڑا سمندر ہے۔ اس کے شمال میں ایشیا، جنوب میں بحرِ منجمد جنوبی، مشرق میں آسٹریلیا اور انڈونیشیا اور مغرب میں برّاعظم افریقہ واقع ہیں۔ بحیرہ عرب اور بحیرہ قلزم اس کے مشہور بحیرے ہیں۔

4- **بحرِ منجمد شمالی** : یہ قطب شمالی کے اِرد گِرد پھیلا ہُوا ہے۔ جنوب میں ایشیا، یورپ اور شمالی امریکہ کے برّاعظموں سے ملا ہُوا ہے۔ یہ سمندر تجارتی اعتبار سے اہمیّت

نہیں رکھتا، کیوں کہ اس کے بیشتر حصے کا پانی سخت سردی کی وجہ سے سارا سال منجمد رہتا ہے۔

5۔ **بحرِ منجمد جنوبی** : یہ آسٹریلیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے جنوب میں براعظم اینٹارکٹیکا کے اِرد گِرد پھیلا ہُوا ہے۔ شمال میں یہ بحرِ ہند، بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل سے مِلا ہُوا ہے۔ یہ بحرِ منجمد شمالی سے تھوڑا سا بڑا ہے۔ تجارتی لحاظ سے یہ سمندر بھی کار آمد نہیں، کیوں کہ اس کا پانی سارا سال منجمد رہتا ہے۔

سُمندر کی حرکات

سمندر کا پانی ساکن نہیں اور کسی نہ کسی صورت میں حرکت کرتا رہتا ہے۔ تیز ہَوا چلنے سے سمندر میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ دائمی ہَواؤں کی وجہ سے روئیں چلتی ہیں۔ چاند اور سُورج کی کَشش کی وجہ سے پانی میں مدّو جذر پیدا ہوتا ہے۔ زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں کے عمل کی وجہ سے سمندروں میں طوفان آتے رہتے ہیں۔ یہ سب سمندر کی حرکات ہیں۔

لہریں

ہَوا کے چلنے کی وجہ سے سمندر کے پانی میں اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے اور پانی کہیں سے بلند اور کہیں سے نیچا نظر آنے لگتا ہے اور بظاہر حرکت کرتا دِکھائی دیتا ہے۔ پانی کی اِس حالت کو ہم لہریں کہتے ہیں۔ لہروں میں اگرچہ پانی دُور تک حرکت کرتا نظر آتا ہے لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ پانی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا صرف آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کِسی تالاب میں لکڑی کا ٹکڑا پھینکا جائے تو یہ آگے پیچھے حرکت کرتا تو نظر آئے گا لیکن دوسرے کنارے تک نہیں پہنچتا۔

بحری روئیں

بحری روئیں سمندر میں بہنے والے پانی کے بہُت بڑے بڑے دریا ہیں۔ ان دریاؤں کے کِنارے بھی پانی کے ہوتے ہیں۔ زمین پر بہنے والے دریاؤں کی نسبت اُن کی چوڑائی بہُت زیادہ ہوتی ہے۔

بحری روئیں دو قسم کی ہیں :

1۔ گرم پانی کی روئیں : وہ تمام روئیں جو خطِ استوا کے قریب بہتی ہیں یا خطِ استوا سے شمال اور جنوب کی طرف بہتی ہیں گرم پانی کی روئیں ہوتی ہیں۔

2۔ سرد پانی کی روئیں : ایسی تمام روئیں جو شمال یا جنوب کی سمت سے اِستوائی علاقوں کی طرف بہتی ہیں سرد پانی کی روئیں ہیں۔

روؤں کے پیدا ہونے کے اسباب : روؤں کے پیدا ہونے کے اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

1- **دائمی ہوائیں :** بحری روؤں کے پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ دائمی ہوائیں ہیں کیوں کہ جب یہ سمندروں پر چلتی ہیں تو اُن کی رفتار کافی تیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ سمندر کے پانی کو بھی روؤں کی صورت میں اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہیں۔

2- **درجہ حرارت کا فرق :** ٹھنڈا پانی بھاری اور گرم پانی ہلکا ہوتا ہے۔ قطبین کے سمندروں کا پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے نیچے بیٹھنے لگتا ہے۔ چونکہ خط استوا نسبتاً سورج سے نزدیک ہے اس لیے اس کے اِرد گرد کا پانی جلدی گرم ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ لینے کے لئے استوائی سمندروں کا گرم پانی قطبین کی طرف بہنے لگتا ہے اور اس طرح روئیں چلنے لگتی ہے۔

3- **عمل تبخیر کا فرق :** جب سمندر کے کسی حصّے میں عمل تبخیر کی وجہ سے پانی کم ہو جاتا ہے تو اس کمی کو پُورا کرنے کے لیے روئیں اسی سمت چلنے لگتی ہیں۔

4- **نمکین پانی کا فرق :** نمکین پانی بھاری اور تازہ اور صاف پانی ہلکا ہوتا ہے۔ نمکین پانی زیادہ وزن رکھنے کی وجہ سے نیچے چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ لینے کے لیے ہلکا پانی بہنے لگتا ہے اور روئیں وجُود میں آ جاتی ہیں۔

بحرِ اوقیانوس کی روئیں :

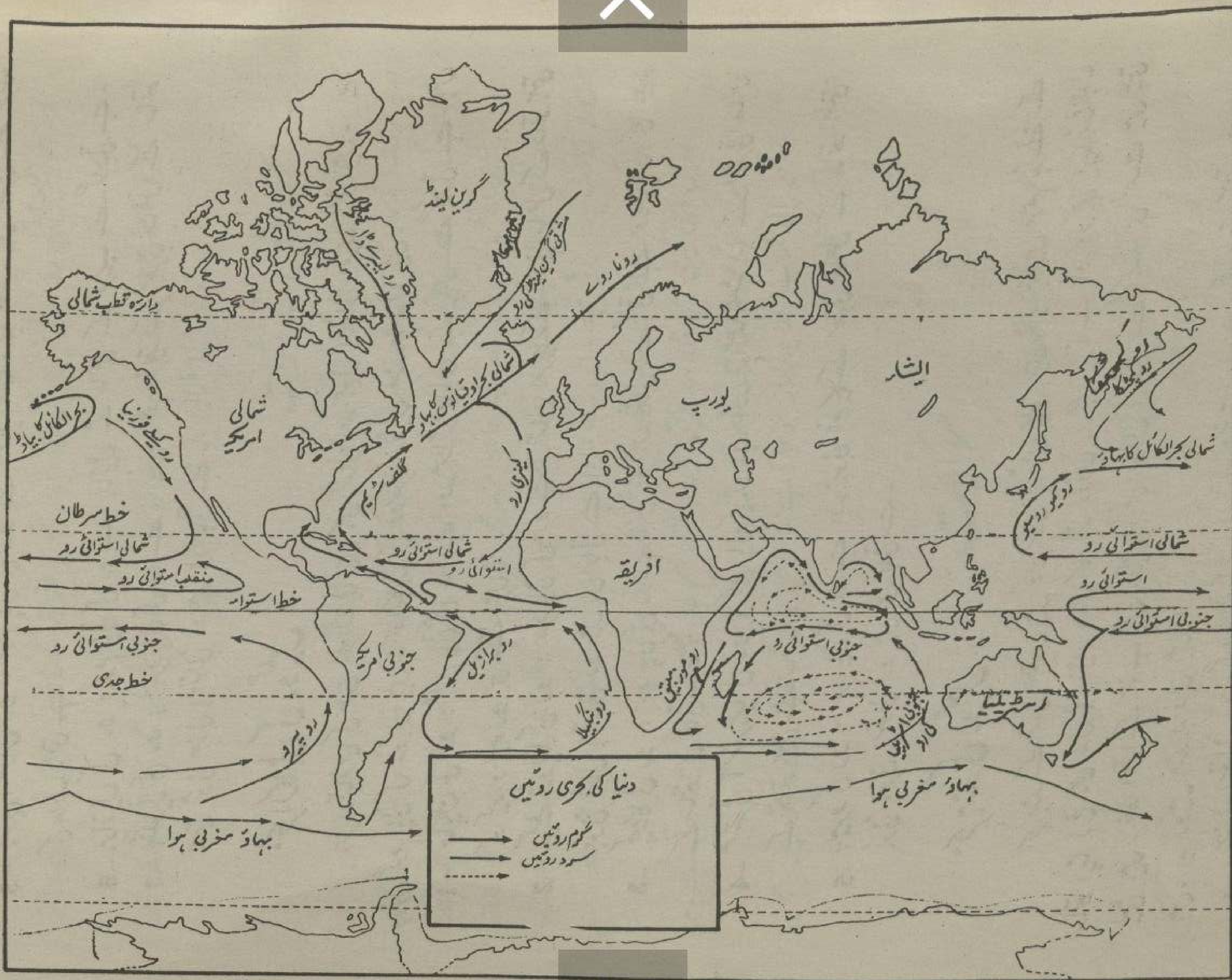
بحرِ اوقیانوس کی روئیں مندرجہ ذیل ہیں :

1- **شمالی استوائی رو :** یہ گرم پانی کی رو ہے۔ خطِ استوا کے شمال میں مشرق سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔

2- **خلیجی رو :** یہ گرم پانی کی رو ہے۔ یہ رو خلیج میکسیکو سے نکل کر جزائر برطانیہ تک چلی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے برطانیہ کی بندرگاہیں موسم سرما میں کھُلی رہتی ہیں۔

3- **کینیری کی رو :** یہ سرد پانی کی رو ہے اور مغربی افریقہ کے ساحل کے ساتھ بہتی ہُوئی شمالی استوائی رو میں مل جاتی ہے۔

4- **لیبرے ڈار کی رو :** سرد پانی کی رو ہے۔ یہ شمال کی طرف سے آتی ہے اور خلیجی رو میں مل جاتی ہے۔


دنیا کی بحری رویں
گرم رویں
سرد رویں
گرین لینڈ
شمالی امریکہ
جنوبی امریکہ
یورپ
ایشیا
افریقہ
آسٹریلیا
دائرہ قطب شمالی
خط سرطان
خط استواء
خط جدی
شمالی استوائی رو
منقلب استوائی رو
جنوبی استوائی رو
استوائی رو
بہاؤ مغربی ہوا
گلف سٹریم
کیناری رو
رو برازیل
رو بنگیلا
رو پیرو
رو کیلی فورنیا
شمالی بحر اوقیانوس کا بہاؤ
رو ناروے
شمالی بحرالکاہل کا بہاؤ

5 - جنوبی استوائی رو : گرم پانی کی رو ہے۔ خطِ استوا کے جنوب میں مشرق سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔

6 - برازیل کی رو : گرم پانی کی رو ہے۔ برازیل کے ساحل کے قریب سے گزرتی ہے۔

7 - بنگویلا کی رو : سرد پانی کی رو ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ بہتی ہوئی جنوبی اِستوائی رو میں مل جاتی ہے۔

بحرالکاہل کی روئیں :

بحراوقیانوس کی طرح بحرالکاہل میں بھی شمالی اور جنوبی استوائی روئیں چلتی ہیں۔ یہ دونوں گرم پانی کی روئیں ہیں۔ بحرالکاہل کی دوسری روئیں مندرجہ ذیل ہیں :

1 - جاپان کی رو : گرمِ پانی کی رو ہے اور جزائر جاپان کے پاس سے گُزرتی ہے۔ اِس کو کیورو سیورو بھی کہتے ہیں۔

2 - کیلے فورنیا کی رو : سرد پانی کی رو ہے۔ شمالی امریکا کے مغربی ساحل کے ساتھ بہتی ہُوئی شمالی اِستوائی رو میں مل جاتی ہے۔

3 - کمچٹکا کی رو : سرد پانی کی رو ہے۔ یہ بحرِ منجمد شمالی سے آتی ہے اور جاپان کی رو کے ساتھ مل جاتی ہے۔

4 - مشرقی آسٹریلیا کی رو : گرم پانی کی رو ہے اور بڑِاعظم آسٹریلیا کے مشرقی ساحل کے ساتھ بہتی ہے۔

5 - پیرو کی رو : سرد پانی کی رو ہے اور جنوبی امریکا کے مغربی ساحل کے ساتھ بہتی ہُوئی جنوبی اِستوائی رو میں مل جاتی ہے۔

بحرِ ہند کی روئیں :

بحرِ ہند کے شمالی حصّوں میں مُون سُون ہَوائیں چلتی ہیں۔ یہ ہَوائیں موسم بدلنے کے ساتھ اپنا رُخ بھی بدل لیتی ہیں، جن کا اثر روؤں پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اپنا رُخ بدل لیتی ہیں۔ خطِ استوا کے جنوب میں روئیں دائمی ہواؤں کی وجہ سے ایک ہی سمت میں چلتی ہیں۔ یہ روئیں مندرجہ ذیل ہیں :

1 - جنوبی اِستوائی رو : گرم پانی کی رو ہے اور مشرق سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔

2- موزمبیق کی رو : گرم پانی کی رو ہے۔ جنوبی افریقہ کے مشرقی ساحل کے قریب بہتی ہے۔

3- مغربی آسٹریلیا کی رو : یہ سرد پانی کی رو ہے اور آسٹریلیا کے مشرقی ساحل کے ساتھ بہتے ہوئے جنوبی استوائی رو میں مل جاتی ہے۔

بحری روؤں کے اثرات :

بحری روئیں انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ گرم روئیں ساحلی علاقوں کا درجۂ حرارت بڑھا دیتی ہیں اور سرد روئیں گرمی کو کم کر دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر گرم خلیجی رو کی وجہ سے برطانیہ کی بندرگاہوں میں سارا سال جہازوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔

بحری روئیں جہاز رانی کے لیے فائدہ مند بھی ہیں اور نقصان دہ بھی۔ اگر بحری جہاز روؤں کے رُخ پر جا رہے ہوں تو اُن کو سہولت ہوتی ہے اور اگر مخالف سمت میں جاتے ہوں تو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گرم اور سرد روؤں کے ملنے کی وجہ سے دُھند پیدا ہو جاتی ہے جو جہاز رانی کے لیے بہت خطرناک ہوتی ہے۔

روئیں ماہی گیری میں بھی مدد دیتی ہیں۔ اچھّی قسم کی مچھلی سرد پانی میں ہوتی ہے۔ سرد روئیں ان مچھلیوں کو گرم علاقوں میں لے آتی ہیں۔

ساکن پانی خراب اور بدبُودار ہو جاتا ہے۔ روئیں پانی کو حرکت میں رکھتی ہیں جس سے سمندر کا پانی خراب نہیں ہونے پاتا۔

سوالات

1- برِاعظم ایشیا پر نوٹ لکھیں۔

2- لہریں کیا ہوتی ہیں۔

3- بحری روؤں کے اثرات بیان کیجیے۔

4- بحرِ ہند کی روؤں کا حال لکھیے۔

باب: 3

آب وہوا کے لحاظ سے دُنیا کے اہم خطّے

کرۂ ارض پر مختلف علاقوں میں مختلف قسم کی آب وہوا پائی جاتی ہے۔ لیکن روئے زمین پر کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جن کی آب وہوا، نباتات طبعی حالت اور اقتصادی حالت ایک دوسرے سے ملتی جُلتی ہے۔ کرۂ ارض کے ایسے علاقوں کے مجموعے کو جن کی آب وہوا اور طبعی حالات ایک جیسے ہوں آب وہوا کا قُدرتی خطّہ کہتے ہیں۔ آب وہوا کے قدرتی خطّے کے زیادہ تر حصّوں میں آب وہوا طبعی حالات نباتات، پیداوار حیوانات اور لوگوں کے پیشے ایک جیسے ہوتے ہیں۔

روئے زمین کو آب وہوا کے قُدرتی خطّوں میں تقسیم کرتے وقت مختلف عناصر مثلاً زمین کی نوعیت، خط اِستوا سے فاصلہ، خطّے کا محلِّ وقوع، درجۂ حرارت، ہوائیں، بارش، نباتات اور اِنسانی بُودوباش وغیرہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ آب وہوا کے چند اہم قدرتی خطے یہ ہیں:

1- اِستوائی خطّہ 2- مُون سُونی خطّہ 3- بحیرۂ روم کا خطّہ
4- منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدان کا خطّہ 5- گرم صحرائی خطّہ
6- ٹنڈرا کا خطّہ

1- اِستوائی خطّہ

یہ خطّہ خطِ استوا کے دونوں جانب قریبًا 5 درجے شمال اور 5 درجے جنوب عرض بلد کے درمیان واقع ہے۔ سطح کے لحاظ سے اِس خطّے کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

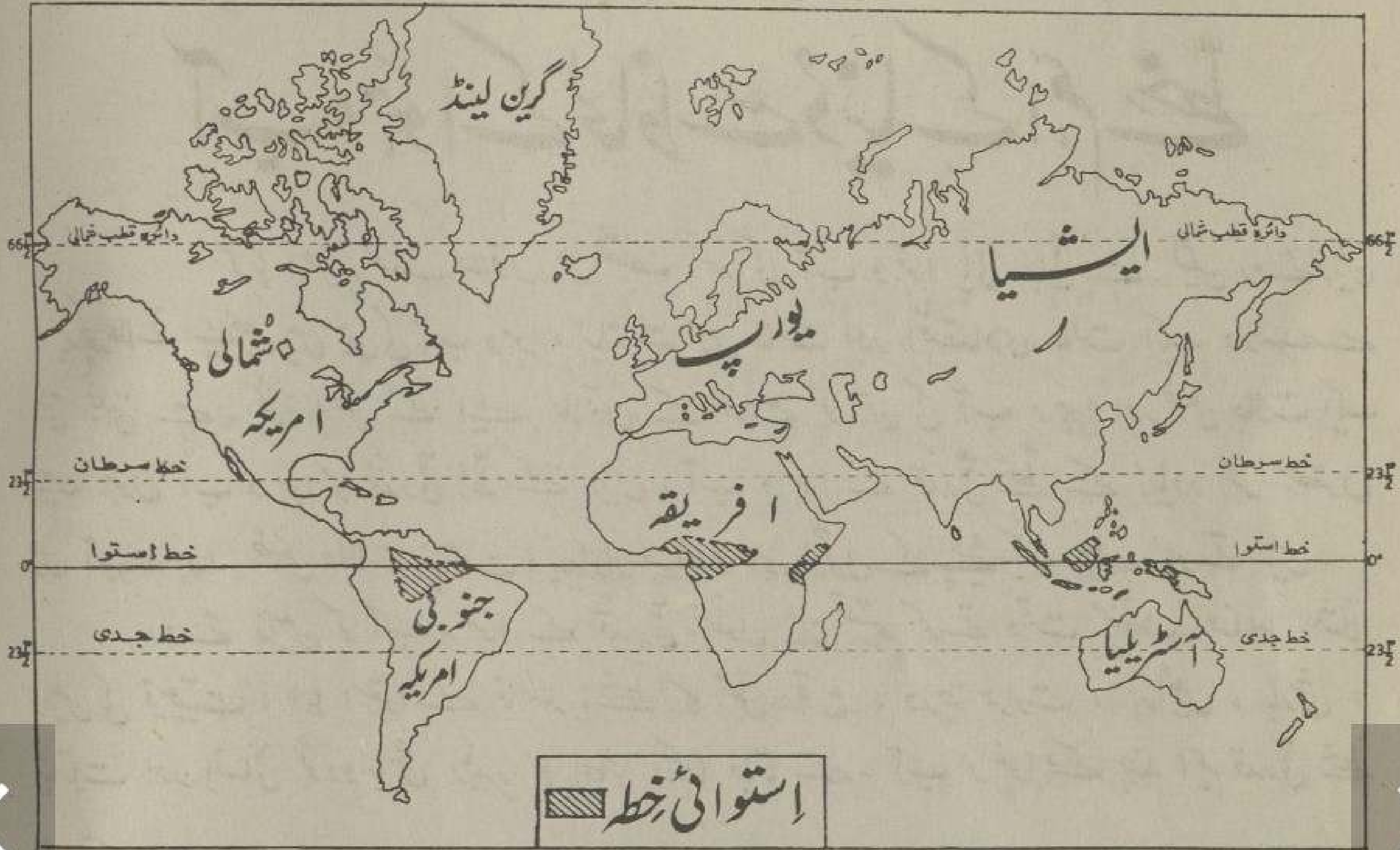
(ا) علاقہ: (الف) میدانی استوائی خطّہ

I جنوبی امریکہ میں دریائے ایمیزن کا طاس
II افریقہ میں دریائے کانگو کا طاس وگنی کا ساحلی علاقہ
III مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقے کا کچھ حصّہ

(ب) کوہستانی اِستوائی خطّہ

(I) ایشیا میں انڈونیشیا کے کوہستانی جزیرے

(II) ایشیا میں جنوبی ملیشیا



(ب) **آب و ہوا:** اِس خطّے کی آب و ہوا کی خاص خصوصیّت یہ ہے کہ یہاں سارا سال شدید گرمی پڑتی ہے اور سارا سال ہی موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔

درجہ حرارت : خطِ استوا کے نزدیک ہونے کی وجہ سے یہاں سارا سال سُورج کی شعاعیں عموداً پڑتی ہیں جس کی وجہ سے اِس خطّے میں سارا سال درجہ حرارت زیادہ ہوتا ہے۔ دِن اور رات کے درجۂ حرارت میں بعض اوقات کافی فرق ہوتا ہے۔ اسی لیے استوائی خطّے کی راتیں دِن کی نسبت سرد ہوتی ہیں۔ اس خطّے میں درجۂ حرارت عموماً 26.7 درجے سینٹی گریڈ کے قریب ہوتا ہے۔

استوائی خطّے کے کوہستانی علاقوں میں بلندی کی وجہ سے درجہ حرارت کم ہوتا ہے۔ یہاں درجۂ حرارت 21 درجے سینٹی گریڈ سے کم رہتا ہے۔ دِن اور رات کے درجۂ حرارت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اِن کوہستانی علاقوں کی آب و ہوا مجموعی طور پر ٹھنڈی ہے۔

بارش : اس خطّے میں سارا سال زیادہ گرمی پڑنے اور ہوا میں زیادہ نمی کی وجہ سے عملِ تبخیر بھی تیزی سے ہوتا ہے اس لیے یہاں سال بھر بارش ہوتی ہے۔ بارش عموماً موسمِ گرما اور خزاں میں ہوتی ہے۔ بارش اکثر سہ پہر کو خُوب گرج چمک کے ساتھ ہوتی ہے۔ اِس خطّے میں

سب سے زیادہ بارش ایمیزن کے طاس میں ہوتی ہے۔ یہاں سالانہ بارش 203 سینٹی میٹر سے زیادہ ہوتی ہے۔ باقی علاقوں میں نسبتاً کم بارش ہوتی ہے۔

(ج) **قُدرتی نباتات :** زیادہ گرمی اور زیادہ بارش کی وجہ سے استوائی خطّے کی قدرتی نباتات گھنے اور بہت اُونچے گرم بارانی جنگلات ہیں۔ اِس خطّے کے درخت 30 سے 60 میٹر تک بلند ہوتے ہیں۔ یہ درخت اُوپر سے چھاتے دار ہوتے ہیں جن سے سُورج کی شعاعیں نہیں گزر سکتیں۔ یہاں کے مشہُور درخت ربڑ، گٹا پرچا، آبنوس، مہاگنی، ساگوان، کوکو، صندل، کیلا، سنکونا اور بانس ہیں۔ سب سے اہم درخت ربڑ کا ہے۔ کوہستانی علاقوں میں درجۂ حرارت کم ہونے کی وجہ سے اِتنے گھنے جنگلات نہیں ہوتے۔

اب لوگوں کا رُجحان زراعت کی طرف بھی ہو رہا ہے۔ آبپاشی کے لیے پانی آبپاشی کی مختلف سکیموں سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ جہاں سے جنگلات صاف کر دیے گئے ہیں وہاں چاول، گنّا اور تمباکو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

ذرائع آمدورفت اچھے نہ ہونے، جھاڑی نما پودوں کی زیادتی اور آب و ہوا اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اس خطّے کے جنگلات اقتصادی لحاظ سے زیادہ مفید نہیں ہیں۔

(د) **حیوانات :** اس خطّے کے جنگلات میں بندر، شیر، ہاتھی، گینڈا، طوطے، گلہری سانپ اور مختلف قسم کے پرندے ملتے ہیں۔ دریاؤں اور ندی نالوں میں مگرمچھ اور کچھوے عام ملتے ہیں۔

(د) **معدنیات :** اِستوائی خطّہ معدنیات کے لحاظ سے اِتنا اہم نہیں ہے۔ ملایا اور انڈونیشیا سے قلعی اور تیل مِلتا ہے۔ جاوا، سماٹرا، برونائی اور جنوبی بورنیو میں تیل کے کنویں ہیں۔ زائرے سے تانبا، سیسہ اور چاندی نکالی جاتی ہے۔ گولڈ کوسٹ اور گنی سے سونا مِلتا ہے۔

استوائی خطّے میں ذرائع آمدورفت دشوار ہیں۔ صرف ملایا میں ریلوے لائن بنائی گئی ہے باقی ہر جگہ دریا ہی آمدورفت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، اِس لیے تجارت کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہُوا۔ ربڑ بنانا، لکڑی کاٹنا اور ماہی گیری یہاں کے لوگوں کے عام پیشے ہیں۔ اس خطّے میں آبادی کم ہے۔ صرف ملیشیا اور انڈونیشیا ہی زیادہ گنجان آباد ہیں۔

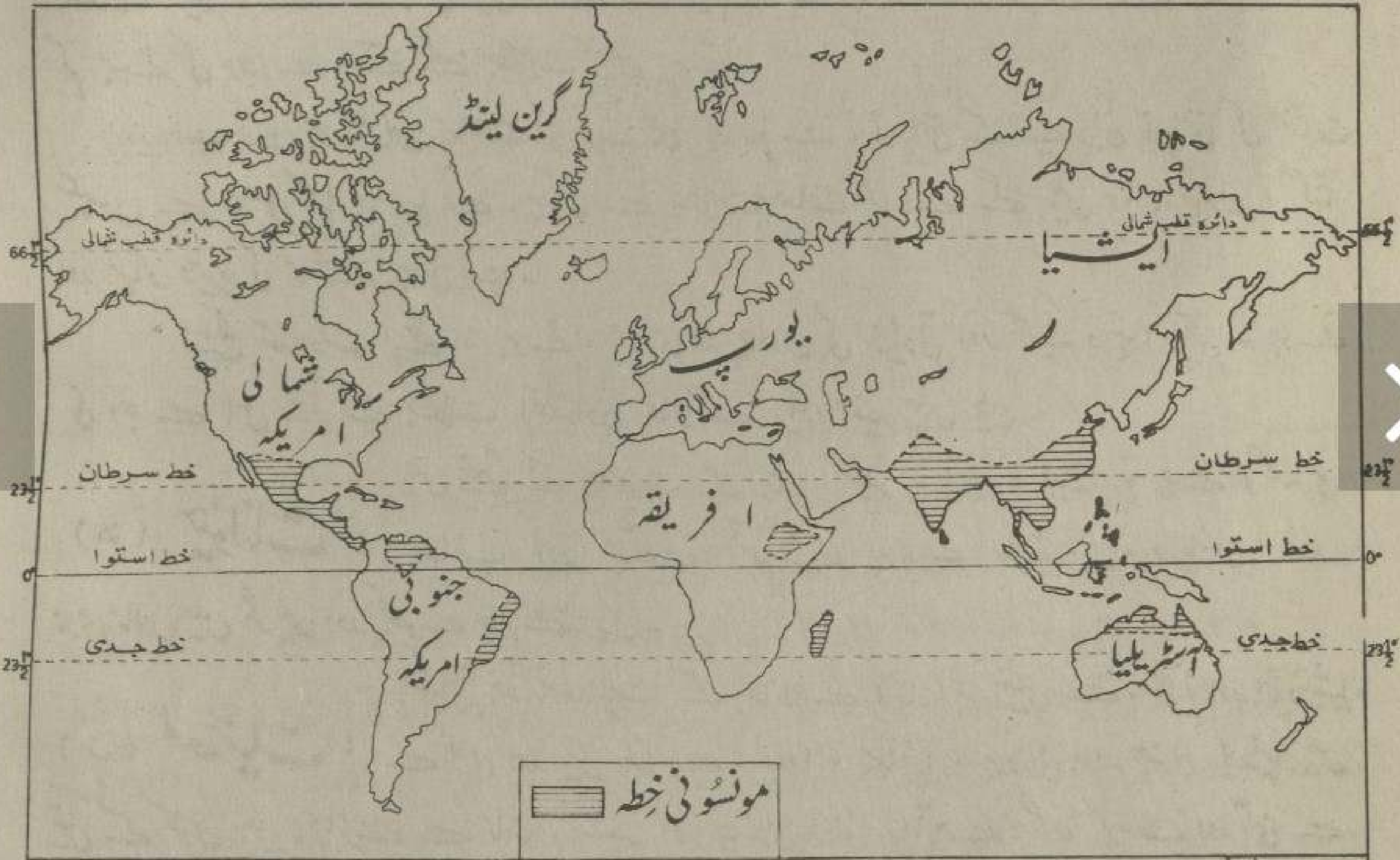
2- مُون سُونی خِطّہ

مُون سُونی خِطّہ خطِ اِستوا کے دونوں جانب برّاعظموں کے مشرقی کِناروں پر 5 درجے سے 30 درجے عرض بلد کے درمیان واقع ہے۔

(ا) **علاقہ**: ایشیا میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، سری لنکا، ہندچینی، جنوبی چین، فلپائن، تھائی لینڈ اور برما۔

امریکہ میں وسطی امریکہ، میکسیکو، وینزویلا، جزائر غرب الہند اور مشرقی برازیل کا ساحلی علاقہ۔

افریقہ میں ملاگاسی کا جزیرہ، ایبے سینا کا جنوب مشرقی علاقہ اور آسٹریلیا کا شمالی حِصّہ۔



(ب) **آب وہوا**: مُون سُون ہَواؤں کی آب و ہَوا کے خِطّے کی خاص خصوصیّت یہ ہے کہ گرمیوں میں موسم گرم اور سردیوں میں نیم گرم ہوتا ہے۔ گرمیوں میں موسمی ہَواؤں کے ذریعے بارش ہوتی ہے۔ سردیوں میں 4 سے 6 ماہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے خُشکی رہتی ہے۔

درجہ حرارت، مُون سُونی خِطّے کے بعض ممالک کی آب و ہَوا مُون سُونی حالات سے قدرے مختلف ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کی آب و ہَوا میں فرق ہے۔

مُون سُونی آب و ہَوا میں گرمیاں گرم اور سردیاں کم سرد ہوتی ہیں۔ روزانہ اور موسمی

درجۂ حرارت میں کم فرق ہوتا ہے۔ جن علاقوں کے پاس سے گرم پانی کی روئیں گزرتی ہیں (مشرقی افریقہ، برازیل اور کربیین کا ساحلی علاقہ) وہ سردیوں میں بھی خاصے گرم رہتے ہیں۔

سری لنکا میں چاروں طرف سے سمندر میں گھرے ہونے اور خطِ استوا کے نزدیک ہونے کی وجہ سے گرمی ایک جیسی رہتی ہیں۔

اِس خطّے کا اوسط درجۂ حرارت 26.7 درجے سینٹی گریڈ ہے۔ بعض علاقوں میں موسمِ گرما میں درجۂ حرارت 21 درجے سینٹی گریڈ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

بارش : بارش موسمِ گرما میں سمندر سے آنے والی مون سون ہواؤں سے ہوتی ہے۔ موسمِ سرما عموماً خشک رہتا ہے۔ بنگلہ دیش چونکہ مون سون ہواؤں کی زد میں پہلے آتا ہے اور سمندر سے بھی قریب ہے۔ اِس لیے وہاں پاکستان کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہے۔ کسی مقام کے محلِّ وقوع اور ہواؤں کے رُخ کا اثر جتنا چراپونجی میں نمایاں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ اِس جگہ سالانہ 11 میٹر 43 سینٹی میٹر تک بارش ہوتی ہے۔ اس خطّے میں جون، جولائی اور اگست میں زیادہ بارش ہوتی ہے۔ ستمبر کے بعد مون سون ہوائیں واپس ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اِس لیے اندرونِ ملک تک نہیں پہنچ پاتیں۔

(ج) **قدرتی نباتات :** مون سونی خطّے کی قدرتی نباتات بارش کے لحاظ سے مختلف علاقوں میں مختلف ہے۔ جہاں بارش 102 سینٹی میٹر سے 203 سینٹی میٹر کے درمیان ہوتی ہے وہاں پت جھڑ جنگلات پائے جاتے ہیں جن کی لکڑی بہُت کارآمد ہوتی ہے۔ یہاں کے جنگلات اِستوائی جنگلات کے مقابلے میں زیادہ گھنے ہوتے ہیں۔ اِن جنگلات میں ساگوان، سال، مہاگنی، دیودار، تیل پام اور بانس وغیرہ کے درخت ملتے ہیں۔ اِن جنگلات سے سخت اور مضبوط قسم کی عمارتی لکڑی ملتی ہے۔ بعض علاقوں میں برازیل اور مشرقی افریقہ کے کچھ حصّے) معاشی دباؤ کے تحت جنگلات صاف کرکے ہر قسم کے پھل اور دالیں اگائی جاتی ہیں

(د) **حیوانات :** یہاں کئی قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ اس خطّے کے مشہور جنگلی جانور ہاتھی، شیر، چیتا، ہرن، نیل گائے اور بندر وغیرہ ہیں۔ اِن کے علاوہ مختلف قسم کے پرندے بھی ملتے ہیں۔

(د) **معدنیات :** اس خطّے کی معدنیات میں تیل، گیس، ٹن، سیسہ، کوئلہ، لوہا، ابرق، نمک، قلعی، سونا، چاندی، لعل، نیلم، مینگنیز اور تانبا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۵) زراعت : اِس خطّے کے میدانی علاقے سب سے زیادہ گنجان آباد ہیں۔ دُنیا کی ایک چوتھائی آبادی اس خطّے میں رہتی ہے۔ زراعت یہاں کا سب سے بڑا پیشہ ہے۔ بارش کے پانی اور مصنوعی آبپاشی سے اس خطّے میں چاول، چائے، پٹ سن، قہوہ، مکئی، گندم، تمباکو، گنّا، کپاس، تیل نکالنے کے بیج، کوکو، سنکونا، جوار، باجرہ اور مختلف قسم کے پھل کاشت کیے جاتے ہیں۔ ذرائع آمدورفت اچھے ہیں۔ سفر زیادہ تر سڑکوں، ریلوں، بحری اور ہوائی جہازوں سے کیا جاتا ہے۔

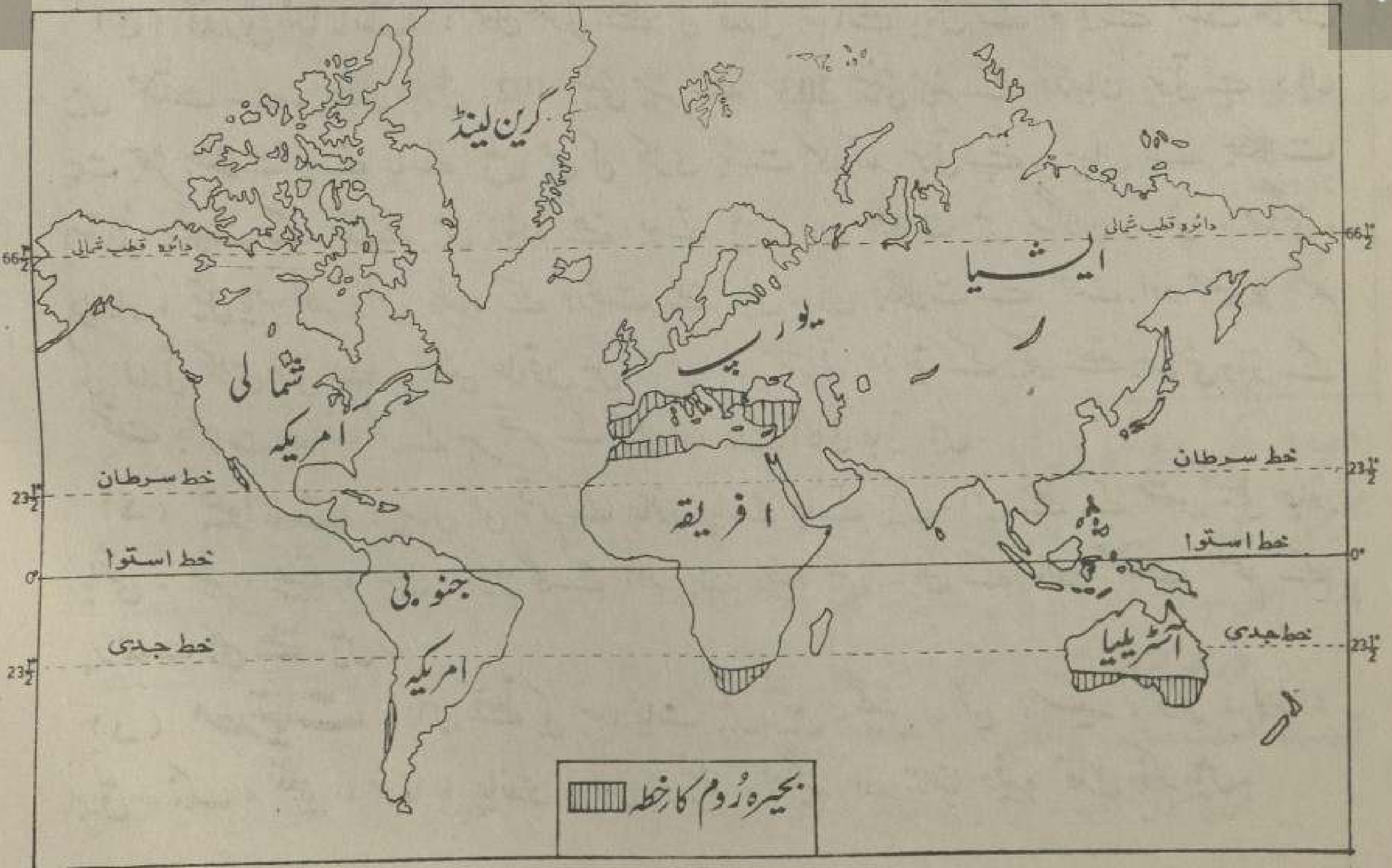
3 - بحیرۂ رُوم کا خطّہ

اس قدرتی خطّے کے ممالک خطِ استوا کے دونوں طرف قریبًا 30 درجے اور 45 درجے عرض بلد کے درمیان برّاعظموں کے مغربی حصّوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۱) علاقہ : اس خطے کا زیادہ تر حصّہ بحیرہ رُوم کے چاروں طرف واقع ممالک پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس خطّے کا نام بھی بحیرۂ روم کے نام کی مناسبت سے پڑ گیا ہے۔

ایشیا میں ترکی، شام اور لبنان۔

یورپ میں جنوبی فرانس، جنوبی سپین، جنوبی اٹلی، یوگوسلاویہ اور یُونان۔



شمالی امریکہ میں کیلیفورنیا کا علاقہ۔

جنوبی امریکہ میں چلی کا علاقہ۔

آسٹریلیا میں جنوبی اور جنوب مغربی حصہ اور شمالی نیوزی لینڈ کے علاقے شامل ہیں۔

(ب) **آب وہوا:** بحیرۂ روم کے خطے کی آب وہوا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں موسم سرما خوشگوار اور موسم گرما گرم ہوتا ہے۔ بارش موسم سرما میں ہوتی ہے اور موسمِ گرما خشک رہتا ہے۔ موسمِ گرما میں مطلع عام طور پر صاف رہتا ہے اور خوب دھوپ پڑتی ہے۔

درجۂ حرارت: موسمِ گرما میں یہاں درجہ حرارت 21 سے 26.7 درجے سینٹی گریڈ اور موسمِ سرما میں درجۂ حرارت 4.5 اور 10 درجے سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ موسمِ گرما میں اکثر علاقوں میں حالات گرم صحراؤں کے موافق ہوتے ہیں۔ موسمِ بہار نہایت خوشگوار ہوتا ہے موسم سرما میں کبھی کبھی برف باری ہوتی ہے اور کہر پڑتا ہے۔

بارش: اس خطے میں بارش میں اعتدال رہتا ہے۔ یہاں بارش کی مقدار 38 سینٹی میٹر اور 50 سینٹی میٹر کے درمیان مختلف مقامات کے محلِ وقوع کی بنا پر ہوتی ہے۔ بارش زیادہ تر موسمِ سرما میں ہوتی ہے۔ موسمِ گرما قریبًا خشک رہتا ہے۔ موسمِ گرما جتنا زیادہ گرم ہوتا ہے اتنی ہی اس موسم میں بارش کم ہوتی ہے۔ بحیرۂ روم کے جنوبی حصوں کی جانب بارش کم ہوتی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ علاقے نیم صحرائی خطے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

(ج) **قدرتی نباتات:** یہاں گرمیوں کا موسم خشک ہونے کی وجہ سے ایسی نباتات ہوتی ہے جو اس خشکی کو برداشت کر سکے۔ ایسی قسم کی نباتات رومی قسم کی نباتات کہلاتی ہے۔ اس خطّے کے درخت اور جھاڑیاں سب سدابہار ہوتے ہیں۔ جہاں بارش کم ہوتی ہے درخت جھاڑیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہاں کے خاص درخت زیتون اور انجیر ہیں۔ ان کے علاوہ شاہ بلوط، کارک، یوکلپٹس، چیڑ، دیودار، سائپرس اور جونیپر وغیرہ کے درخت بھی ملتے ہیں۔

(د) **حیوانات:** بحیرۂ روم کی آب وہوا کے خطّے میں شیر، چیتا، ہرن اور مختلف قسم کے پرندے ملتے ہیں۔

معدنیات: یہاں معدنیات زیادہ اہم نہیں ہیں۔ بحیرۂ روم کے کنارے سارے ملکوں سے لوہا نکالا جاتا ہے۔ سپین سے تانبا، جست اور پارہ، کیلیفورنیا سے تیل، گندھک، لوہا، سونا اور چاندی نکالی جاتی ہے۔

یہ خطّہ پھلوں کی پیداوار کے لیے بہت مشہور ہے۔ انگور، سنگترہ، انار، بادام، شہتوت اور دیگر پھل بکثرت کاشت کیے جاتے ہیں۔ پھلوں کے علاوہ گندم، کپاس، چاول، جو، جوار، باجرہ وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگوں کا بڑا پیشہ پھلوں کی کاشت اور بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔ اس کے علاوہ کھیتی باڑی کرنا، ریشم کے کیڑے پالنا اور صنعتی علاقوں میں محنت مزدوری کرنا عام پیشے ہیں۔ اس خطّے میں ذرائع آمدورفت اچھے ہیں۔

4۔ منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدان کا خطّہ

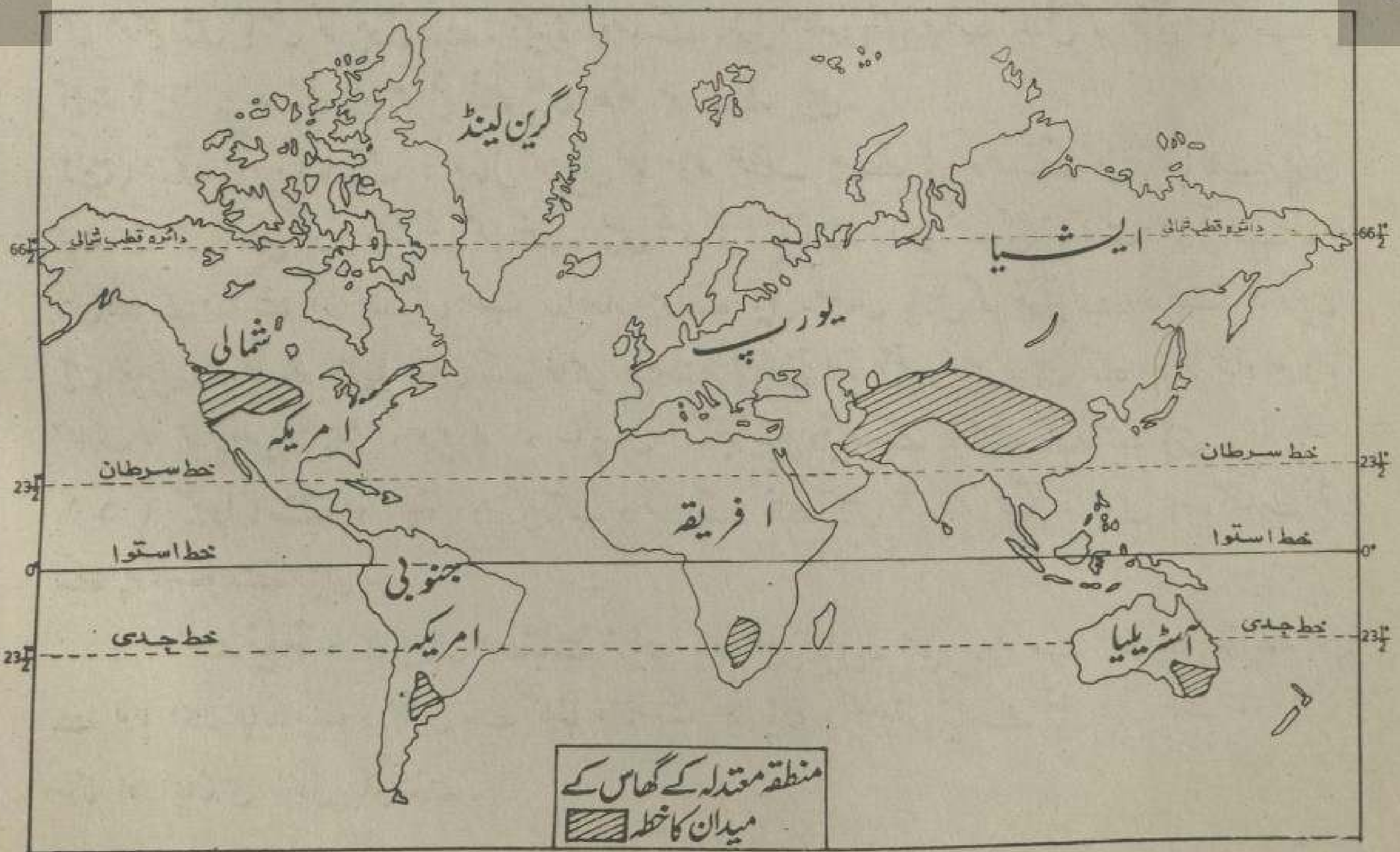
یہ خطہ برّاعظموں کے وسط میں خطِ استوا کے دونوں طرف 30 درجے اور 45 درجے عرض بلد کے درمیان واقع ہے۔

(ا) علاقہ: ایشیا میں بحیرہ کیسپین سے لے کر وسطی ایشیا کی سطوح مرتفع تک پھیلا ہوا ہے۔ شمالی امریکہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی وسطی و مغربی ریاستیں۔

جنوبی امریکہ میں شمالی ارجنٹائن۔

آسٹریلیا میں مرے ڈارلنگ کا طاس۔

افریقہ میں جنوبی افریقہ کی سطح مرتفع۔



(ب) **آب وہوا** : یہ خطہ خطِ استوا سے بہت دور واقع ہے اِس لیے یہاں موسمِ سرما لمبا اور شدید سرد ہوتا ہے۔ موسمِ گرما مختصر لیکن بہت گرم ہوتا ہے۔ موسمِ سرما میں سخت سرد ہوائیں اور موسمِ گرما میں گرم ہوائیں چلتی ہیں۔

درجۂ حرارت : یہ خطہ برّاعظموں کے اندرُونی حِصّوں میں سمندروں سے دُور واقع ہے اس لیے اس کی آب وہوا شدید یا برّی قِسم کی ہے۔ یہاں گرمیوں (جولائی) میں اوسط درجۂ حرارت 26.7 درجے سینٹی گریڈ اور سردیوں (جنوری) میں 4.4 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے بعض مقامات پر سردیوں میں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ موسمِ سرما میں خُوب سردی پڑتی ہے۔

بارش : بارش بہُت کم ہوتی ہے۔ یہاں بارش 25 سے 50 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے جو زیادہ تر موسمِ خزاں اور موسمِ گرما میں ہوتی ہے۔ کم بارش کی وجہ سے یہاں درخت نہیں اُگتے۔ بلکہ گھاس کے وسیع میدان پائے جاتے ہیں۔

(ج) **قدرتی نباتات** : اِس خِطّے کی قُدرتی نباتات کا اِنحصار بارش کی مقدار پر ہے۔ جہاں زیادہ بارش ہوتی ہے وہاں عُمدہ گھاس کے میدان پائے جاتے ہیں۔ ان میں یوریشیا، شمالی امریکہ، ارجنٹائن کے گھاس کے میدان شامل ہیں۔ گھاس کے یہ میدانی عِلاقے قدرتی چراگاہوں کا کام بھی دیتے ہیں۔

(د) **حیوانات** : اس خِطّے کے گھاس کے میدانوں میں ہرن، بارہ سنگا، چیتل، زرافہ اور زیبرا بکثرت پائے جاتے ہیں۔ گھوڑا، بھیڑ بکریاں اور گدھا بھی اِس خِطّے کے جانور ہیں۔

(ہ) **معدنیات** : اس خِطّے میں معدنیات کو اتنی اہمیّت حاصل نہیں ہے۔ یوریشیا اور شمالی امریکہ سے تیل، لوہا، تانبا، مینگنیز اور کوئلہ، آسٹریلیا سے جست اور تانبا، کویت اور عراق سے تیل نِکالا جاتا ہے۔ کویت کو تیل پیدا کرنے والے ممالک میں ایک ممتاز حیثیّت حاصل ہے۔ سائبیریا کے معدنی ذخائر سے ذرائع آمدورفت اچھے نہ ہونے کی وجہ سے پوری طرح فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا۔

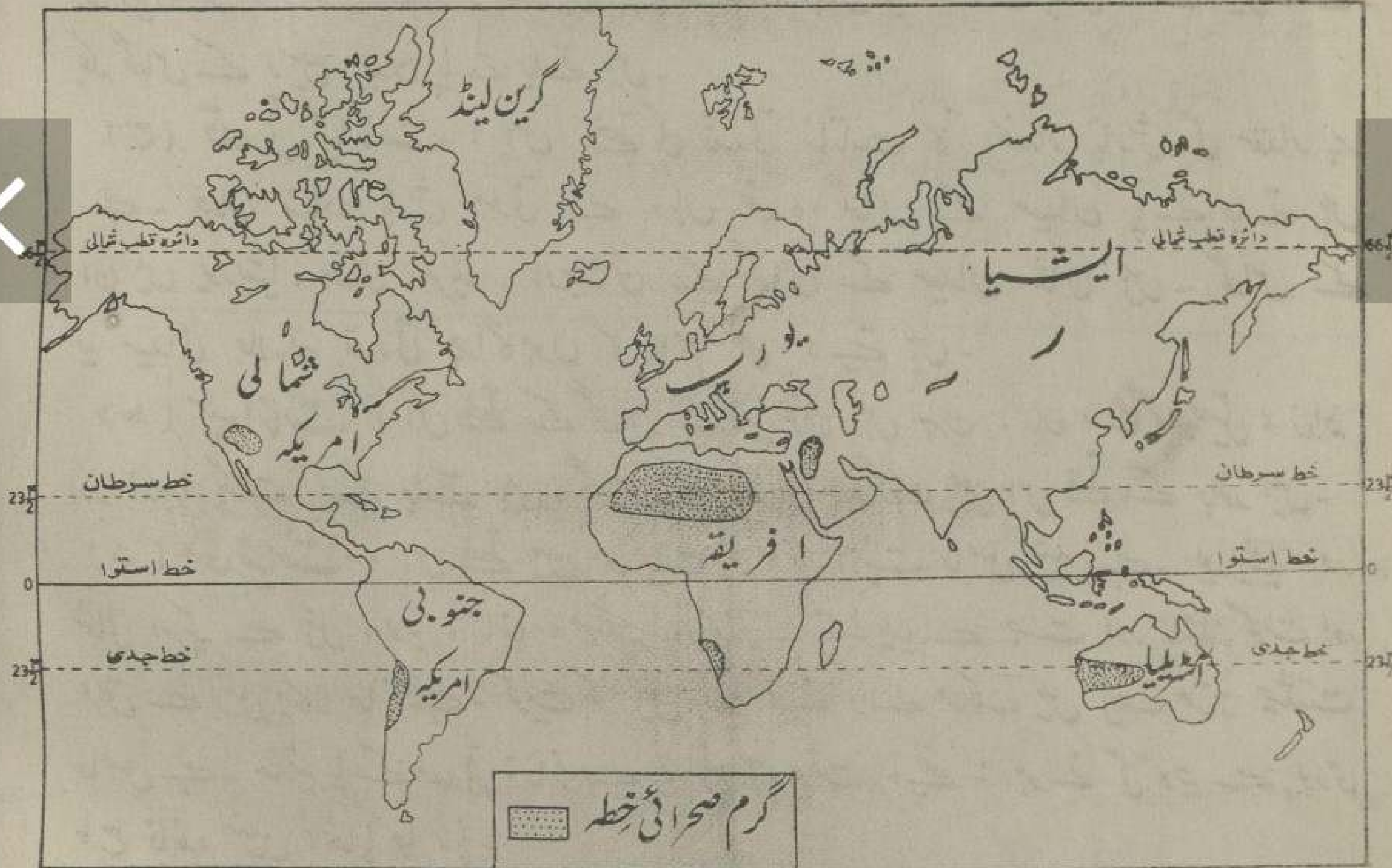
مویشی پالنا اور کاشت کاری کرنا یہاں کے لوگوں کے عام پیشے ہیں۔ نیم صحرائی علاقوں کے اکثر لوگ خانہ بدوش ہیں۔ جہاں پانی دستیاب ہے گندم، کپاس، تمباکو، جوار، جو، رائی مکئی اور پھل کاشت کیے جاتے ہیں۔ اس خِطّے میں کئی قِسم کی صنعتیں بھی قائم کی گئی ہیں

جن کا انحصار زیادہ تر مویشیوں اور زراعت پر ہے۔ گوشت کو ڈبوں میں بند کرنے، چمڑے کا سامان بنانے اور اناج سے متعلقہ صنعتیں زیادہ مشہور ہیں۔

5۔ گرم صحرائی خطّہ

گرم صحرائی خطّہ خطِ سرطان اور خطِ جدی کے نواحی علاقوں میں خطِ استوا کے دونوں جانب قریباً 20 درجے اور 30 درجے عرض بلد کے درمیان براعظموں کے مغرب میں واقع ہے۔

(ا) **علاقہ :** ایشیا میں سندھ (پاکستان) راجپوتانہ (بھارت) سعودی عرب اور شام کا صحرائی حصّہ۔
افریقہ میں صحرائے اعظم اور کالا ہاری۔
شمالی امریکہ میں کلوریڈو اور اریزونا۔
جنوبی امریکہ میں شمالی چلّی اور جنوبی پیرو (ایٹےکاما کا صحرا)۔
آسٹریلیا میں آسٹریلیا کا جنوب مغربی حصّہ۔



(ب) **آب و ہوا :** ان عرض بلاد میں براعظموں کے مغربی ساحلوں پر گرم صحرائی خطے پائے جاتے ہیں۔ یہ خطہ دُنیا کا گرم ترین علاقہ ہے۔

درجہ حرارت : اس صحرائی خطّے کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ گرمیوں میں یہاں

درجۂ حرارت بعض اوقات 51.5 درجے سینٹی گریڈ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ افریقہ میں عزیزیہ کے مقام پر قریباً 58 درجے سینٹی گریڈ تک درجۂ حرارت ریکارڈ کیا گیا ہے۔ یہاں دِن کے مقابلے میں راتیں ٹھنڈی اور پُرسکون ہوتی ہیں۔

بارش : اس خطّے میں براعظموں کے مشرقی حصّوں میں خُوب بارش ہوتی ہے لیکن بارش برسانے والی ہوائیں مغربی حصّوں تک پہنچتے پہنچتے خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ ہَوائیں سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف آنے کی وجہ سے بارش نہیں برساتیں۔ چنانچہ یہاں کسی موسم میں بھی زیادہ بارش نہیں ہوتی۔ اس خطّے میں اوسط سالانہ بارش 25 سینٹی میٹر سے کم ہوتی ہے۔ بعض علاقوں میں کئی کئی سال بارش نہیں ہوتی۔

(ج) قدرتی نباتات : بارش کی قلت کی وجہ سے یہاں کی آب و ہَوا گرم خشک ہے۔ اس آب و ہَوا میں نباتات نہیں اُگ سکتیں۔ البتہ جہاں کہیں نخلستان پائے جاتے ہیں یا کنوؤں اور چشموں یا نہروں سے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ وہاں کاشت کاری ہوتی ہے۔ یہاں کی قدرتی نباتات کانٹے دار جھاڑیاں، کھجور اور کیکر وغیرہ ہیں۔

(د) حیوانات: اُونٹ گرم صحرائی خطّے کا مشہور جانور ہے۔ یہ ریگستان میں رہنے اور چلنے کے لیے خاص طور پر موزوں ہے۔ اسی لیے یہ صحرا کا جہاز کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھیڑ بکریاں بھی پالی جاتی ہیں۔ کالا ہاری کے ریگستان میں شُتر مُرغ بھی مِلتا ہے۔

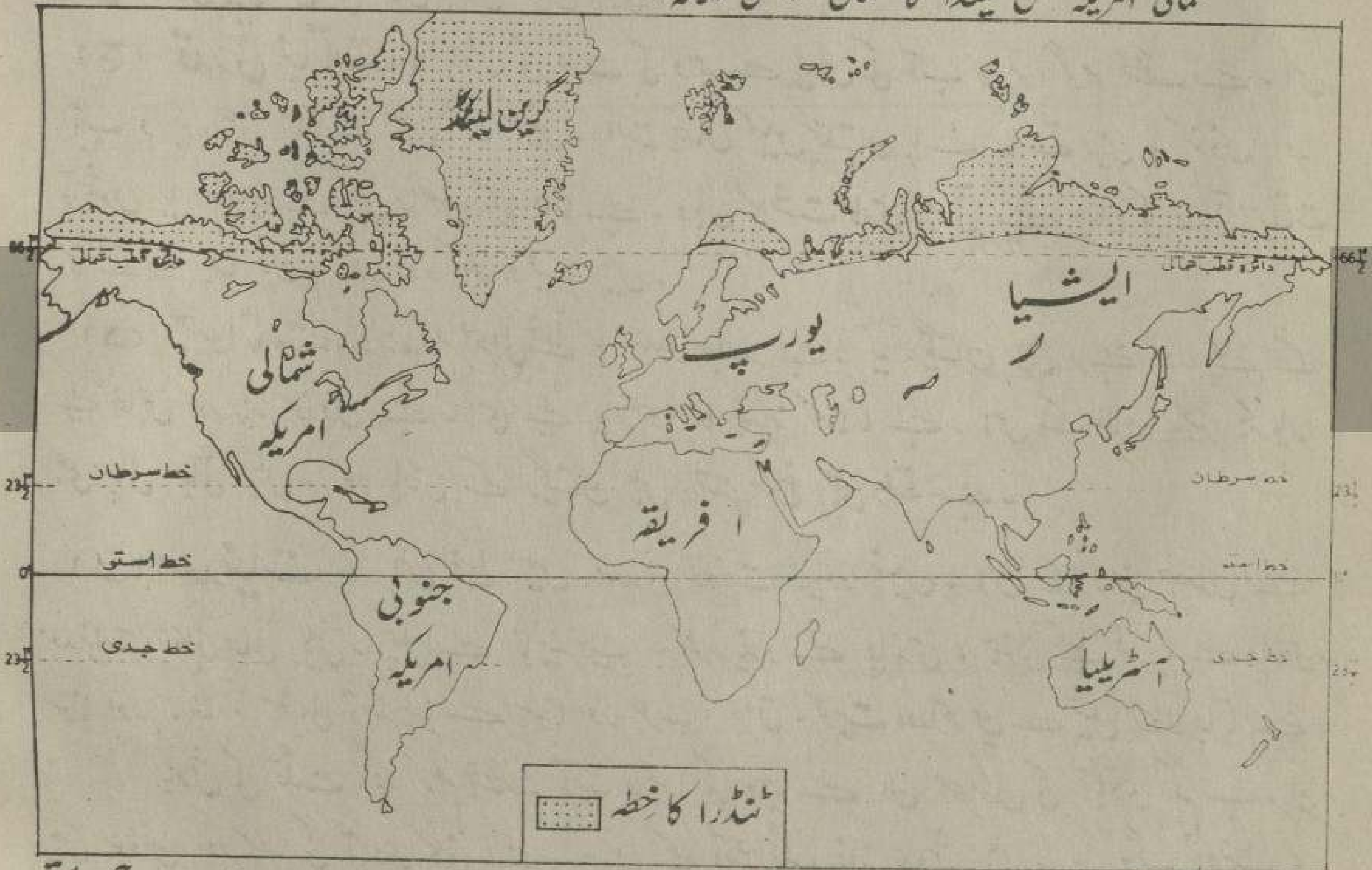
(د) معدنیات : اِس خطّے میں معدنی دولت زیادہ نہیں۔ اس کے بعض حصّوں سے معدنیات نکالی جاتی ہیں۔ چلی سے نائیٹریٹ، کلوریڈو سے چاندی، جنوبی کیلیفورنیا سے چاندی، سونا اور تانبا، مغربی آسٹریلیا سے سونا اور عرب، عراق، کویت اور بحرین سے تیل نکالا جاتا ہے۔

بارش کی قلت اور گرم خشک آب و ہَوا کی وجہ سے ان صحراؤں کی آبادی کم ہے۔ اِن میں سوڈان اور مصر کی آبادی کافی ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ خانہ بدوش ہیں۔ یہ لوگ اُونٹ، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے وغیرہ پالتے ہیں اور یہی اُن کا عام پیشہ ہے۔ جہاں کہیں پانی دستیاب ہے مکئی، جوار، باجرا وغیرہ کاشت کیے جاتے ہیں۔ سوڈان اور مصر میں اعلیٰ قِسم کی کپاس پیدا کی جاتی ہے۔ اس خطّے میں ذرائع آمدورفت اچھے نہیں ہیں۔ ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان تک سفر کے لیے اُونٹ کی سواری ملتی ہے۔

6 - ٹنڈرا کا خطّہ

ٹنڈرا کا خطہ خطِ استوا کے شمال میں دائرہ قطب شمالی سے لے کر بحرِ منجمد شمالی تک پھیلا ہُوا ہے۔ یہ خطہ صرف شمالی نصف کرّے میں ہے۔ جنوبی نصف کرّے میں اس قسم کا خطہ نہیں ہے کیوں کہ ان عرض بلد میں وہاں خُشکی موجود نہیں۔ یہ برفانی صحرا شمال میں ہمیشہ یخ بستہ رہنے والے علاقے اور جنوب میں مخروطی جنگلات کے درمیان واقع ہے۔

(ا) **علاقہ :** ایشیا کا انتہائی شمالی علاقہ جو بحرِ منجمد شمالی سے ملحقہ ہے۔
یورپ کا بحرِ منجمد سے ملحقہ اِنتہائی شمالی ساحلی علاقہ۔
شمالی امریکہ میں کینیڈا کا شمالی ساحلی علاقہ۔



(ب) **آب و ہوا :** ٹنڈرا کے خطّے میں سال کے بیشتر حصّے میں زمین برف سے جمی رہتی ہے۔ یہاں موسمِ سرما طویل اور سخت سرد ہوتا ہے۔ موسمِ گرما مختصر ہوتا ہے۔ اِس میں بھی خاصی ٹھنڈ پڑتی ہے۔

درجہ حرارت : اس خطّے میں عام طور پر دو موسم ہوتے ہیں۔ موسمِ گرما اور موسمِ سرما۔ نومبر سے اپریل تک اوسط درجۂ حرارت منفی 40.4 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں

سخت سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ گرم ترین مہینے کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 19 درجے سینٹی گریڈ سے نہیں بڑھتا۔ موسم گرما میں بھی یہاں خاصی ٹھنڈ پڑتی ہے۔

بارش : اِس خطے میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ یہاں بارش 25 سینٹی میٹر کے قریب ہوتی ہے۔ یہ بارش عموماً گرمیوں کے آخر اور موسمِ خزاں میں ہوتی ہے، جب کہ درجۂ حرارت نقطہ انجماد سے کافی اُونچا ہوتا ہے اور ہوا میں کچھ نمی موجود ہوتی ہے۔ موسمِ سرما میں بارش ان مقامات پر ہوتی ہے جہاں کبھی کبھار گرد باد پہنچ جاتے ہیں۔ موسمِ گرما میں یہاں دُھند بھی ہوتی ہے۔

(ج) **قدرتی نباتات** : چونکہ ٹنڈرا کا خطّہ ایک سرد وسیع بنجر میدان ہے۔ اِس لیے جہاں کہیں بھی نباتات ملتی ہے وُہ ایسی جو زیادہ اُونچی اُگنے نہیں پاتی۔ کائی اور لچن اس خطے کی نباتات ہے۔ گرمیوں میں برف پگھلنے سے جھاڑیاں بھی نمودار ہوتی ہیں اور کہیں کہیں پھُول بھی اُگتے ہیں۔ برف پگھلنے سے کئی حصّوں میں دَلدَل بھی بن جاتی ہے۔ سرد تیز ہواؤں کی وجہ سے یہاں جنگلات نہیں اُگ سکتے۔

(د) **حیوانات** : اس خطّے میں حیوانات خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ یورپ اور ایشیا میں رینڈیر، شمالی امریکہ میں بارہ سنگے وغیرہ ملتے ہیں۔ اِن کے علاوہ سَمُوردار جانور مثلاً لومڑی، خرگوش وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ساحلی علاقوں اور جزیروں میں قطبی ریچھ، بھیڑیا اور دوسرے قطبی جانور ملتے ہیں۔ اِن جانوروں سے خوراک اور پہننے اوڑھنے کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ اِن کے سَمُور اور پَروں کی بڑی قیمت ہوتی ہے۔ موسم گرما میں یہاں پَر دار کیڑے مکوڑے اور مچھر بھی بہُت ہوتے ہیں۔

(ہ) **معدنیات** : سال کے زیادہ عرصے میں برف کے نیچے ڈھکے رہنے اور ذرائع آمدورفت اچھے نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کی معدنیات سے پُورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ اس خطّے سے سونا، کوئلہ اور تیل ملتا ہے۔ جن علاقوں سے معدنیات نکالی جاتی ہیں اُن کی اقتصادی حالت بہتر ہے۔

اقتصادی لحاظ سے یہ خطّہ بہُت پسماندہ ہے۔ یہاں آبادی بہت کم ہے۔ اِس خطّے میں اِنسانی زندگی طبعی ماحول کے خلاف ایک مستقل جدّوجہد ہے۔ لوگ مجبوراً خانہ بدوش ہیں۔ شکار کرنا، خوراک جمع کرنا، مچھلی پکڑنا اِن کے خاص پیشے ہیں۔ سمور اور کھالیں یہاں کی

خاص پیداوار ہیں۔ یہی دونوں چیزیں بیچ کر یہاں کے لوگ چائے اور تمباکو حاصل کرتے ہیں۔

سوالات

1- آب و ہوا کے قُدرتی خطّے کی تعریف کریں۔

2- روئے زمین کو آب و ہوا کے قدرتی خطّوں میں تقسیم کرتے وقت کن کن عناصر کو مدِّنظر رکھا جاتا ہے۔؟

3- دُنیا میں آب و ہوا کے اہم قدرتی خطّے کون کون سے ہیں ؟

4- استوائی خطّے کی آب و ہوا کی خصوصیات بیان کریں۔

5- مُون سُونی خطّے میں کون کون سے ممالک شامل ہیں ؟

6- بحیرۂ روم کے خطّے کی قُدرتی نباتات بیان کریں۔

7- گرم صحرائی خطّے اور منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدان کے خطّے کی آب و ہوا میں کیا فرق ہے ؟

8- خالی جگہ پُر کریں :

(I) رینڈئیر ______ کے خطّے کا مشہور جانور ہے۔

(II) ______ کے خطّے کی آب و ہوا پھلوں کی پیداوار کے لیے بہت موزوں ہے۔

(III) استوائی جنگلات میں درختوں کی لمبائی ______ میٹر سے ______ میٹر تک ہوتی ہے۔

(IV) پاکستان اور بنگلہ دیش میں بارش ______ ہواؤں سے ہوتی ہے۔

(V) منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدان کا خطّہ خطِ استوا کے دونوں جانب ______ درجے سے ______ درجے کے درمیان واقع ہے۔

عملی کام

1- دُنیا کے خاکے میں آب و ہوا کے مشہور خطّے مختلف رنگوں سے ظاہر کریں۔

2- اٹلس یا گلوب کی مدد سے استوائی اور مُون سُونی خطّے کے ممالک کی نشاندہی کریں۔

باب : 4

پیشے

دُنیا میں کئی قسم کے پیشے ہیں لیکن ہم یہاں صرف اُن بڑے بڑے ، اہم اور بنیادی پیشوں کا حال بیان کریں گے جن کی وجہ سے چھوٹے تمام انسانی پیشوں نے جنم لیا ہے ۔ بڑے بڑے بنیادی پیشے مندرجہ ذیل ہیں ۔

مویشی پالنا

مویشی پالنے کا پیشہ بہت قدیم ہے ۔ موجودہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ پیشہ بھی بہت ترقی کر گیا ہے اور دُنیا کے بہت سے ممالک میں یہ ایک مُفید کاروبار بن گیا ہے ۔ مویشی عام طور پر دو مقاصد کے لیے پلے جاتے ہیں :

دُودھ ، مکھن ، پنیر اور گھی حاصل کرنے کے لیے ۔

گوشت ، چمڑا اور اُون حاصل کرنے کے لیے ۔

گائے اور بھینس ڈیری کے مویشی کہلاتے ہیں ۔ اِن سے دُودھ، دودھ سے مکھن پنیر گھی حاصل کیا جاتا ہے ۔ بھیڑ بکریاں اُون ، گوشت اور کھالیں حاصل کرنے کے لیے پالی جاتی ہیں ۔ دُنیا کے اکثر ترقی یافتہ ممالک میں ڈیری فارمنگ اور گلہ بانی پر خاص توجہ دی جاتی ہے ۔

منطقہ معتدلہ کے گھاس کے میدانوں کا خطہ مویشی پالنے کیلئے مثالی علاقہ ہے ۔ اِس لئے یہاں کے رہنے والے لوگوں کا سب سے اہم پیشہ مویشی پالنا ہے ۔ اِس کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں بھی کافی لوگوں کا پیشہ مویشی پالنا ہوتا ہے ، کیونکہ پہاڑی ڈھلانوں پر اُگی ہُوئی چھوٹی چھوٹی گھاس اور جھاڑیوں پر بھیڑ بکریاں آسانی سے پرورش پا سکتی ہیں ۔ خانہ بدوشوں کا بھی یہ اہم پیشہ ہے ۔ دُنیا بھر کے بے شمار لوگ اس پیشے سے وابستہ ہیں ۔

زراعت

اِنسان قدیم زمانے سے کھیتی باڑی کرتا چلا آ رہا ہے۔ اِس وقت دُنیا کی زیادہ تر آبادی اِسی پیشے سے وابستہ ہے۔ دُنیا کے مختلف ممالک میں زیرِ کاشت رقبہ کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ، اس لیے وہاں زراعت پیشہ آبادی کا تناسب بھی مختلف ہے۔ انسان اپنی خوراک کی ضرُوریات پُوری کرنے کے لیے فصلیں اُگاتا ہے۔ اپنی دوسری ضروریات پُوری کرنے کے لیے غیر غذائی فصلیں بھی کاشت کرتا ہے۔ غیر غذائی فصلیں کارخانوں میں خام مال کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اور اِن سے انسانی ضرورت کی بے شمار چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ دُنیا میں جہاں جہاں زمین زرخیز اور ہموار ہے، آبپاشی کی سہولتیں میسّر ہیں اور جغرافیائی حالات سازگار ہیں وہاں کے لوگوں کا بڑا پیشہ زراعت ہے۔ ایسے علاقوں کی آبادی بھی گنجان ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں ابھی تک کاشت کاری کے پرانے طریقے استعمال ہو رہے ہیں لیکن ترقی یافتہ ممالک میں مشینوں سے کاشت کاری کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے اور زراعت پیشہ آبادی بہت خوشحال ہو گئی ہے۔

برِاعظموں کے گھاس کے میدانوں، رومی اور مُون سُونی خطے کے لوگوں کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہی ہے۔

صنعت و حرفت

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والی ہزاروں چیزیں ہاتھوں اور مشینوں سے تیار کرتے ہیں۔ اس کام کو صنعت و حرفت کہا جاتا ہے۔ اس طرح جو چیزیں تیّار ہوتی ہیں ان کو مصنُوعات کہتے ہیں۔ ایسی مصنوعات جنھیں لوگ ہاتھوں سے تیار کرتے ہیں، دستکاریاں اور گھریلو صنعتیں کہلاتی ہیں۔ اِن میں رُوئی اور اُون سے کھڈیوں پر کپڑا تیّار کرنا، قالین، چادریں اور دریاں بنانے کی صنعت، کشیدہ کاری، زیورات، آرائشی سامان، ہوزری کی صنعت، مٹی اور چینی کے برتن، چمڑے کی مصنُوعات، کھلونے، کھیلوں کا سامان اور مختلف دھاتوں سے ظروف سازی شامل ہیں۔ ایسے ممالک جو مشینی صنعتوں میں آگے نہیں بڑھ سکے۔ ان میں ہزاروں لوگ اپنی گزر اوقات دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں پر کرتے ہیں، کیونکہ دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کے قائم کرنے پر زیادہ اِنتظامات اور سرمائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک میں ہر قسم کی مصنُوعات کارخانوں میں مشینوں کے ذریعے تیار ہوتی ہیں۔ ان ممالک میں ہاتھوں سے چیزیں

بنانے کا فن قریبًا ختم ہو گیا ہے اِس لیے وہاں دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

18 ویں صدی عیسوی کے وسط تک بر اعظم ایشیا اور یورپ کے لوگ اقتصادی طور پر ایک ہی سطح پر تھے۔ یعنی دونو کا انحصار زراعت اور گھریلو دستکاری پر تھا لیکن اِس صدی کے وسط اور مابعد انگلستان میں صنعتی انقلاب شروع ہؤا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے سونے کی چڑیا یعنی جنوبی ایشیا سے اتنی دولت بٹوری کہ ان کا ایک معمولی کلرک بھی چند سال یہاں رہ کر لاکھ پتی بن جاتا اور واپسی پر نواب کہلاتا۔

انگریزوں کو یہاں سے پیسہ بھی ملا، خام مال بھی، سستے اور با افراط مزدور بھی اور کھپت کی ایک بہت بڑی منڈی بھی حاصل ہوئی۔ قدرت نے انہیں اپنے ملک میں لوہے اور کوئلے کے دخائر بھی دیئے تھے۔ حکومتی بھی ایسی تھیں کہ جدت کی سرپرستی کرتیں اور اہل دماغ د تحقیق کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر آگے بڑھاتیں، ان سب کا نتیجہ صنعتی انقلاب تھا۔

یہ انقلاب آہستہ آہستہ یورپ کے دیگر ممالک میں بھی پہنچا اور اب بھی جاری ہے۔ یہ انقلاب مشینوں کی ایجاد سے شروع ہوا جو انسانی ہاتھوں کے مقابلے پر بہت تھوڑے وقت میں بہت زیادہ پیداوار دے سکتی تھیں۔ چنانچہ صنعتی ممالک میں زراعت بھی اِس انقلاب سے متاثر ہوئی اور گھریلو دستکاری بھی۔ یہی ممالک ترقی یافتہ (Advanced) کہلاتے ہیں۔ جیسے امریکہ، انگلستان، جرمنی، فرانس، جاپان وغیرہ۔

جن ممالک میں یہ انقلاب ابھی محدود پیمانے پر ہے جیسے پاکستان، وہ ترقی پذیر (Developing) کہلاتے ہیں اور جہاں یہ ابھی شروع ہؤا ہے یا شروع ہوا ہی نہیں وہ پسماندہ (Backward) کہلاتے ہیں۔

موجودہ دَور میں کسی ملک کی معاشی ترقی کا دارومدار بڑی حد تک اُس کی صنعتی ترقی پر ہوتا ہے۔ صنعتی ترقی سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لوگوں کو روزگار کے زیادہ مواقع میسّر آتے ہیں۔ اس سے برآمدات بڑھتی ہیں اور درآمدات میں کمی واقع ہوتی ہے چونکہ صنعتیں زیادہ تر شہروں اور قصبوں میں لگائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان علاقوں کے رہنے والے لوگوں کا بڑا پیشہ صنعت و حرفت ہے۔

کان کنی

دُنیا کے جن علاقوں میں معدنیات پائی جاتی ہیں وہاں کے بہت سے لوگوں کا پیشہ کان کنی ہے۔ معدنیات میں لوہا، کوئلہ، معدنی تیل، تانبا، سیسہ،

کرومائٹ ، قلعی ، سونا ، چاندی ، قیمتی پتھر ، نمک اور یورینیم وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دُنیا کے مختلف ممالک میں مختلف قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں۔ کہیں معدنیات کم مقدار میں ہوتی ہیں اور کہیں زیادہ مقدار میں۔ کان کنی کے پیشے کی وجہ سے کم آبادی والے علاقے پُر رونق صنعتی شہروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

ماہی گیری

مچھلی غذا کا ایک اہم جزو ہے دُنیا کے اکثر ساحلی علاقوں میں بڑی تعداد میں مچھلی اور جھینگے ملتے ہیں۔ یہ گوشت کا بہترین نعم البدل ہے۔ مچھلی اور جھینگے کافی مقدار میں دوسرے ممالک کو برآمد کرکے زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ دنیا میں ساحلی علاقوں کے رہنے والے لوگوں کا اہم پیشہ ماہی گیری ہے۔

تجارت

اشیا کے لین دین کا نام تجارت ہے۔ ہم اپنی زندگی کی ضروریات کا سامان مختلف دکانوں اور کاروباری مراکز سے خریدتے ہیں۔ کاروباری لوگ یہ سامان مُلک کے مختلف علاقوں، کارخانوں اور صنعتی مراکز سے منگواتے ہیں۔ دُنیا کے مختلف ممالک بھی اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے کے دستِ نگر ہیں۔ تمام ممالک اپنی فالتو زرعی، صنعتی اور معدنی پیداوار کو دوسرے مُلکوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور اُن کے بدلے اپنی ضروریات کی چیزیں منگواتے ہیں۔ دُنیا کے ہر مُلک کے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد تجارت کے پیشے سے وابستہ ہے۔

سوالات

1 - دُنیا کے اہم پیشوں کی ایک فہرست بنائیے۔ 2 - مویشی پالنے کے دو اہم مقاصد کون سے ہیں؟
3 - صنعت و حرفت کسے کہتے ہیں؟ 4 - کن علاقوں میں لوگ کان کنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں؟

عملی کام

1 - کسی قریبی کارخانے، ڈیری فارم، کھیت یا کان کی سیر کیجیے۔

باب : 5

دُنیا کے ساتھ پاکستان کی تجارت

دُنیا کے کسی بھی مُلک میں اس کی ضرورت کی ہر چیز پیدا نہیں ہوتی۔ ہر مُلک کو بہت سی اشیا دوسرے ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں اور جو چیزیں مُلک کی ضرورت سے زائد پیدا ہوتی ہیں اُن کو برآمد کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ہر مُلک کو کسی نہ کسی حد تک دوسرے ممالک پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جب مختلف ممالک ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرتے ہیں تو ان کے تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کو دوسرے ممالک کی اہمیّت کا پتا چلتا ہے۔

پاکستان کی دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت بہت وسیع ہے اور اس کو دُنیا کی منڈیوں میں اہم مقام حاصل ہے۔

(ا) پاکستان کی برآمدات

پاکستان ایک ترقی پذیر مُلک ہے۔ اس کی 73 فیصد آبادی کا پیشہ زراعت ہے۔ اِس لیے زراعت پاکستان کی معیشت میں بہت اہمیّت رکھتی ہے۔ یہ مُلک کی بہت سی صنعتوں کے لیے خام مال مہیّا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر کپاس، گنّا، تمباکو اور تیل کے بیج وغیرہ کی فصلوں کی وجہ سے بے شمار کارخانے قائم ہیں۔ پاکستان اب تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور نہ صرف خام مال اور زرعی پیداوار دوسرے ممالک کو بھیجتا ہے بلکہ بڑی مقدار میں اپنے کارخانوں میں تیار کی گئی مصنوعات بھی برآمد کرتا ہے۔

پاکستان کی اہم برآمدات مندرجہ ذیل ہیں :

اشیائے خوراک : اشیائے خوراک میں پاکستان سب سے زیادہ چاول برآمد کرتا ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ قسم کا چاول ہوتا ہے۔ یہ دوسرے ممالک میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ پاکستان بہت سے عرب ممالک ، ایران ، برطانیہ ، سری لنکا ، سنگاپور ، جرمنی اور الجزائر وغیرہ کو چاول برآمد کرتا ہے۔

پاکستان کے ساحلی علاقوں میں بڑی مقدار میں مچھلی اور جھینگے پکڑے جاتے ہیں۔پاکستان بہت سے یورپی اور ایشیائی ممالک کو مچھلی اور جھینگے برآمد کرتا ہے۔ پاکستان کی برآمد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

پاکستان تازہ پھل اور اُن سے تیار کردہ مشروبات، جام، اچار، چٹنیاں بھی خاصی مقدار میں برآمد کرتا ہے۔ پھل ایران اور عرب ممالک کو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تیار کی گئی دوسری اشیا ایشیا اور یورپ کے ممالک کو برآمد کی جاتی ہیں۔

پاکستان تھوڑی سی مقدار میں گندم بھی ایران کو برآمد کرتا ہے۔

کپاس اور اس کی مصنوعات : پاکستان کو سب سے زیادہ زرمبادلہ کپاس کی برآمد سے حاصل ہوتا ہے۔ جب مُلک میں کارخانوں کی بہت کمی تھی تو قریبًا ساری کی ساری کپاس برآمد کر دی جاتی تھی، لیکن اب مُلک میں بہت سے کارخانے قائم ہو چکے ہیں اور بڑی مقدار میں کپاس مُلک میں استعمال ہونے لگی ہے۔ کپاس زیادہ تر جاپان، چین، فرانس، ہانگ کانگ، پولینڈ، رومانیہ، روس، جرمنی اور برطانیہ کو بھیجی جاتی ہے۔

پاکستان میں کپاس سے بہت سا سُوتی دھاگا، سُوتی کپڑا اور دوسری اشیا مثلاً بُنیان، جرابیں، تولیے اور چادریں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ پاکستان کے سُوتی کپڑے کی بھی بہت سے ممالک میں بڑی مانگ ہے۔ سُوتی کپڑے کے بڑے خریدار عرب ممالک، افریقہ کے مُسلم ممالک اور اٹلی، جرمنی، فرانس اور برطانیہ ہیں۔

کھالیں اور چمڑا : پاکستان میں سالانہ قریبًا دو کروڑ کھالیں تیار ہوتی ہیں، جن میں سے نصف سے زائد برآمد کر دی جاتی ہیں۔ کھالوں اور چمڑے کے اہم خریدار فرانس، جرمنی، جاپان اور تُرکی ہیں۔ ان کے علاوہ ایران اور عرب ممالک کو بھی کھالیں برآمد کی جاتی ہیں۔

چمڑے سے بہت سا سامان بنایا جاتا ہے، مثلاً تھیلے، سُوٹ کیس، جُوتے، بٹوے اور جیکٹیں وغیرہ۔ یہ سامان بہت سے مُسلم ممالک کے علاوہ کئی یورپی ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔

کھیلوں کا سامان اور آلاتِ جراحی : پاکستان میں سیالکوٹ کا شہر کھیلوں کے سامان کے لیے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ خاص طور پر فٹ بال، والی بال، کرکٹ کے بلّے

اور گیند ، ہاکی اور ہاکی کے گیند ، بیڈمنٹن کے ریکٹ اور گیند بہت بڑی تعداد میں تیار کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اِس سامان کا معیار بہت اچھا ہے اس لیے باہر کے ممالک میں اس کی بڑی مانگ ہے۔ کھیلوں کے سامان کا سب سے بڑا خریدار برطانیہ ہے۔ اِس کے علاوہ آسٹریلیا ، نیوزی لینڈ اور ولیسٹ انڈیز اہم خریدار ہیں۔ بہت سے افریقی ممالک بھی پاکستان سے کھیلوں کا سامان خریدتے ہیں۔

پاکستان میں معیاری قسم کے آلاتِ جراحی بھی تیار ہوتے ہیں۔ اِس سامان کے بڑے خریدار برطانیہ ، فرانس اور جرمنی ہیں۔

بجلی کا سامان : پاکستان میں بجلی کا سامان مثلاً بجلی کی موٹریں ، تاریں ، بلب اور لیمپ وغیرہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی سے چلنے والا سامان مثلاً پنکھے ، استریاں ، اور ہیٹر وغیرہ بھی بنتے ہیں۔ بجلی کا سامان ایران ، عرب ممالک ، سری لنکا اور ملائیشیا کو برآمد ہوتا ہے۔

(ب) پاکستان کی درآمدات

پاکستان مندرجہ ذیل اشیا درآمد کرتا ہے :

مشینری : پاکستان بڑی تیزی سے صنعت و حرفت میں ترقی کر رہا ہے۔ مُلک میں نئے نئے کارخانے لگ رہے ہیں ، جن کے لیے مشینوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے پاکستان کو بہت سی مشینیں درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ مشینیں زیادہ تر یورپی ممالک امریکہ ، آسٹریلیا ، جاپان اور چین سے منگوائی جاتی ہیں۔

پٹرولیم : پاکستان میں پٹرولیم کی پیداوار اتنی کم ہے کہ مُلکی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اِس لیے یہ پٹرولیم درآمد کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر پٹرولیم ایران ، عرب امارات ، کویت اور سعودی عرب سے درآمد کیا جاتا ہے۔

لوہا اور فولاد : صنعتی ترقی کے لیے لوہا اور فولاد بے حد اہم ہیں۔ پاکستان میں لوہے کی کمی ہے۔ پاکستان میں فولاد کا ایک کارخانہ کراچی کے قریب قائم کیا گیا ہے ، جس کی وجہ سے اب پاکستان کو مزید لوہے کی ضرورت ہو گی۔

پاکستان لوہا اور فولاد اور ان سے تیار کی ہوئی دوسری اشیا برطانیہ ، امریکہ ، جرمنی

آسٹریلیا اور جاپان سے درآمد کرتا ہے۔

پاکستان کا مشرقی ہمسایہ ملک بھارت رقبہ، آبادی اور وسائل کے لحاظ سے دُنیا کے بڑے مُلکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ 1974 سے ایک ایٹمی طاقت بن چکا ہے۔ وہ قریباً 75 فیصدی سامانِ جنگ خود تیار کرتا ہے اور اب تو وہ خطرناک میزائل بھی تیار کر رہا ہے جیسے اگنی، ترشول اور پرتھوی وغیرہ۔ چونکہ بھارت نے پاکستان کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا لہٰذا پاکستان کا دفاعی طور پر خود کفیل ہونا اشد ضروری ہے لیکن سیاسی عدم استحکام اور بڑی طاقتوں کے دباؤ کے تحت ہمارا ایٹمی پروگرام سرد خانے میں پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا پاکستان کو کم و بیش 75 فیصدی سامان جنگ امریکہ، انگلستان، فرانس، روس اور چین وغیرہ سے درآمد کرنا پڑتا ہے جو ہماری درآمدات کی ایک بہت بڑی مد ہے اور بہت سارا مبادلہ اسی نذر ہو جاتا ہے۔

سوالات

1- پاکستان کی اہم برآمدات کے نام لکھیے۔

2- پاکستان کی خاص درآمدات کون کون سی ہیں؟

3- پاکستان میں کھیلوں کا سامان کہاں تیار ہوتا ہے اور کون کون سے ممالک اِس کے خریدار ہیں؟

4- مندرجہ ذیل سامان پاکستان کن کن ممالک سے درآمد کرتا ہے؟

مشینری، پٹرولیم۔ دفاعی سامان۔

5- کھالیں اور چمڑا پاکستان کن کن ممالک کو برآمد کرتا ہے؟

6- بجلی کے سامان میں کون کون سی اشیا شامل ہیں؟

عملی کام

پاکستان کی برآمدات اور درآمدات کا چارٹ بنائیے۔

باب : 6

دُنیا کی آبادی

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہُوئی کائنات بہُت وسیع ، حسین وجمیل اور رنگا رنگ بھی ہے اور متوازن بھی۔ زمین جس پر اِنسان رہتا ہے اس کے مختلف حصّوں کے جغرافیائی حالات ایک جیسے نہیں۔ مختلف خِطّوں کی آب و ہَوا اور پیداوار میں نمایاں فرق ہے۔ ہر خطّے کے باشندوں کے طرزِ زندگی میں بڑا تفاوت ہے۔ یہی حال زمین پر اِنسانی آبادی کا ہے۔ ہر گروہ کا رنگ نسل اور زبان جُدا ہے۔ ان کے لباس ، خوراک ، رہن سہن ، تہذیب و تمدّن ، عقیدے اور طرزِ فکر میں بھی فرق ہے۔ لیکن ان تمام اختلافات کے باوجُود ان میں یکسانیت بھی ہے۔ تمام لوگ ایک آدم کی اولاد ہیں۔ ایک سی طبیعت اور فطرت لے کر دُنیا میں آئے ہیں اور سب ایک ہی قافلۂ اِنسانیت میں شامل ہیں۔

اِنسانی آبادی رُوئے زمین پر منتشر ہے۔ اِس کی تقسیم قُدرت نے عجیب طریقے سے کی ہے۔ جس طرح کچھ زمین آباد ہے اور کچھ غیر آباد ، اِسی طرح زمین کے کِسی حصّے میں آبادی زیادہ ہے کِسی میں کم اور کہیں بالکل نہ ہونے کے برابر۔ رُوئے زمین پر انسانی آبادی کی سب سے نمایاں خصُوصیّت یہی ناہموار تقسیم ہے۔ کرّہ ارض پر آبادی کی اس تقسیم کے کچھ دلچسپ اور نمایاں پہلو یہ ہیں :

- دُنیا کی کل آبادی سوا پانچ ارب کے لگ بھگ ہے۔
- دُنیا کی کل آبادی کا 85 فیصد حِصّہ شمالی نصف کرّہ میں آباد ہے۔
- دُنیا کی آبادی کا 80 فیصد حصّہ رُوئے زمین کے صرف 20 فیصد حصّے پر آباد ہے۔
- کرّہ ارض پر ناقابلِ سکونت علاقے اتنے زیادہ ہیں کہ وہ کرّہ ارض کا 50 فیصد بنتے ہیں۔ رہائش کے قابل حصّے کل رقبۂ زمین کا بقیہ 50 فیصد ہیں۔
- کرّۂ ارض کا دو تہائی حصّہ پانی اور ایک تہائی حصّہ خشکی پر مشتمل ہے۔

گنجان آبادی اور کم آبادی

کِسی علاقے کے رقبے اور آبادی کے پیشِ نظر اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ایک مُربّع کلومیٹر زمین پر اوسطاً کتنے

افراد بس رہے ہیں۔ ایک مُربع کلومیٹر زمین پر آباد افراد کی اوسط زیادہ ہو تو اسے گنجان آبادی اور اس علاقے کو گنجان آباد علاقہ کہا جاتا ہے۔ اگر فی مُربع کلومیٹر اوسط آبادی کم ہو تو اسے کم آبادی کہتے ہیں اور اس علاقے کو کم آبادی والا علاقہ کہا جاتا ہے۔

گنجان آباد علاقے : دُنیا میں گنجان آبادی والے چار بڑے بڑے خطّے ہیں۔ اِن میں دُنیا کی کل آبادی کا تین چوتھائی حصّہ آباد ہے۔ ان میں سے دو علاقے ایشیا میں، ایک یورپ میں اور ایک شمالی امریکہ میں ہے۔

1۔ برِاعظم ایشیا میں زیادہ آبادی والا پہلا علاقہ مشرقی چین، تائیوان، کوریا اور جاپان پر مشتمل ہے۔

2۔ دوسرا علاقہ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور سری لنکا پر مشتمل ہے۔

برِاعظم ایشیا کے ان دو علاقوں میں اگر جنوب مشرقی ایشیا کو بھی شامل کر لیا جائے تو اِس پورے علاقے کی آبادی دُنیا کی نصف آبادی سے کچھ اُوپر ہو جاتی ہے۔

3۔ برِاعظم یورپ میں گنجان آبادی والے خطّے میں جرمنی، فرانس، ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک اور برطانیہ شامل ہیں۔ یورپ کے اس علاقے میں دُنیا کی کُل آبادی کا 20 فیصد حصّہ آباد ہے۔

4۔ برِاعظم شمالی امریکہ میں گنجان آبادی والے خطے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا شمال مشرقی حصّہ اور جنوب مشرقی کینیڈا شامل ہے۔

زیادہ آبادی والے ان بڑے بڑے خطّوں کے علاوہ مختلف برِاعظموں اور جزیروں میں کچھ متفرق علاقے ہیں جہاں آبادی زیادہ ہے۔ مثلاً انڈونیشیا کا جزیرہ جاوا، مصر میں دریائے نیل کی وادی، وسطی افریقہ میں وکٹوریہ جھیل کے ملحقہ جنوبی علاقے، مغربی افریقہ میں نائیجیریا اور گھانا کا ساحلی علاقہ، شمالی امریکہ میں مغربی ساحل کے ساتھ کیلیفورنیا کا کچھ حصّہ، جنوبی امریکہ میں جنوب مشرقی برازیل اور ارجنٹائن کا شمال مشرقی ساحلی علاقہ۔

کم آبادی والے علاقے : ایسے علاقے جہاں آبادی ممکن نہیں یا جہاں آبادی بہت کم ہے ہر برِاعظم میں پائے جاتے ہیں۔

1۔ کم آبادی والے علاقوں کا ایک بڑا حصّہ صحرائے اعظم سے لے کر صحرائے عرب، ایران اور وسط ایشیا سے منگولیا تک پھیلا ہُوا ہے۔

2 قُطب جنوبی کے گرد برفانی برِّاعظم انٹارکٹیکا، شمالی نصف کرّہ میں جزیرہ گرین لینڈ، برِّاعظم ایشیا اور برِّاعظم یورپ کے شمالی علاقے اِنتہائی سردی کے سبب غیرآباد ہیں۔ دائرہ قطب شمالی اور دائرہ قطب جنوبی کے تمام علاقوں کو مِلا کر یہاں کی کُل آبادی ایک ملین سے بھی کم ہے۔

3 استوائی خطّے کی آبادی بھی کم ہے۔ دریائے ایمیزن اور دریائے کانگو کے طاس اور جزیرہ بورنیو رہائش کے لیے غیر موزوں ہیں۔ یہاں آبادی بہت کم ہے۔

4 اِنتہائی بلند پہاڑی علاقے مثلاً کوہ ہمالیہ، کوہ قراقرم، کوہ راکیز اور کوہ انڈیز کے علاقے آبادی سے قریب قریب خالی ہیں۔

گنجان آبادی یا کم آبادی کے اسباب

کسی علاقے میں آبادی کے کم و بیش ہونے پر مندرجہ ذیل عوامل اثرانداز ہوتے ہیں۔

1 **جغرافیائی عوامل:** کسی علاقے کی زمین ہموار، نرم اور زرخیز ہو تو اسے آباد کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس میں کھیتی باڑی اور باغبانی کے ذریعے پیداوار اور وسائل زندگی بآسانی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں رہنا، گھر بنانا اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس لیے ان علاقوں میں آبادی زیادہ ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس دشوار گذار علاقے، پہاڑ، جنگل یا بنجر اور بے آب و گیاہ زمین رہائش کے لیے موزوں نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسے علاقوں کی آبادی بہت کم ہوتی ہے۔

2 **آب و ہوا:** جن علاقوں کی آب و ہوا اچھی ہو وہاں انسانی صحت اچھّی رہتی ہے۔ آدمی خوب محنت کر سکتا ہے۔ بارشیں بروقت ہوں تو پیداوار بہت ہوتی ہے اور خوراک بکثرت میسّر آتی ہے۔ دریاؤں کی وادیوں میں زمین بھی نرم اور زرخیز ہوتی ہے اور آب پاشی کے لیے پانی بھی وافر مقدار میں میسّر آ جاتا ہے۔ اِس لیے ان علاقوں میں عموماً آبادی زیادہ ہوتی ہے۔ بڑے بڑے قدیم شہر دریاؤں کے کِنارے ہی آباد ہیں۔ مصر کی وادیٔ نیل، بھارت کی وادیٔ گنگا و جمنا، پاکستان کی وادیٔ سندھ اور عراق کی وادیٔ دجلہ و فرات کا شمار اسی قسم کے علاقوں میں ہوتا ہے۔ یہ وادیاں نہ صرف زمانہ قدیم سے گنجان آباد ہیں بلکہ یہ انسانی تہذیب و تمدّن کا گہوارہ بھی رہی ہیں۔ معتدل اور نیم گرم آب و ہوا والے علاقے جہاں بارش کافی

ہوتی ہے اکثر آباد ہیں مثلاً بحیرہ رُوم کی آب و ہَوا کا خطّہ اور مُون سُونی آب و ہَوا کے خطّے۔ اس کے مقابلے میں شدید سردی ، شدید گرمی والے علاقے ، استوائی جنگلات اور صحرائی علاقے قلیل آباد ہیں۔

3 معدنی پیداوار : وہ علاقے جہاں قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں مثلاً کوئلہ ، لوہا ، تیل ، گیس یا قیمتی پتّھر وغیرہ ، وہاں روزگار حاصل کرنے کے لیے اِنسانوں کی کافی تعداد جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے علاقوں میں نقل وحمل کی سہولتیں بھی موجُود ہوتی ہیں۔ معدنی علاقوں کے قریب کارخانے اور فیکٹریاں بھی قائم ہو جاتی ہیں۔ بڑے بڑے صنعتی شہر وجُود میں آجاتے ہیں اور آبادی بڑھ جاتی ہے۔

4 تجارتی شاہراہیں : جو مقامات یا علاقے تجارتی شاہراہوں پر یا اُن کے آس پاس واقع ہوں وہاں کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی راستے بھی بہُت اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے شہر اور علاقے جہاں تجارتی منڈیوں کے علاوہ بڑی بندرگاہیں اور ہوائی اڈّے ہیں اُن کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔

5 سیاسی اور معاشرتی حالات : ایسے علاقے جہاں سیاسی حالات پُرسکون ہوں ، لوگوں کو معاشرتی آزادیاں اور معاشی سہولتیں مُیسّر ہوں ، وہاں آبادی کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ سیاسی ، مذہبی یا سماجی وجوہ کی بنا پر آبادی ایک علاقے سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبُور ہو جاتی ہے۔ جس طرح تقسیم کے وقت ہندوستان سے قریبًا ساٹھ پینسٹھ لاکھ مسلمان پاکستان میں منتقل ہو کر آ گئے۔ اسرائیل کے ناجائز قیام کے بعد دُنیا بھر کے یہوُدی اسرائیل میں آ کر جمع ہونے لگے اور ان کی وجہ سے قریبًا بیس لاکھ فلسطینی عرب مسلمان آس پاس کے مُسلم ممالک میں چلے گئے۔

آبادی میں اضافہ

دُنیا کی آبادی میں تیزی سے اور مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اِس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ 1920 میں دُنیا کی آبادی 21 بلین (دو ارب دس کروڑ) تھی جو بڑھ کر 1960 میں 31 بلین (تین ارب دس کروڑ) اور 1987 میں 51 بلین (پانچ ارب دس کروڑ) ہوگئی۔ جن ممالک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے ان میں پاکستان بھی شامل ہے

ہوتی ہے اکثر آباد ہیں مثلاً بحیرہ رُوم کی آب و ہوا کا خطہ اور مُون سُونی آب و ہوا کے خطے۔ اس کے مقابلے میں شدید سردی، شدید گرمی والے علاقے، استوائی جنگلات اور صحرائی علاقے قلیل آباد ہیں۔

3 معدنی پیداوار : وہ علاقے جہاں قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں مثلاً کوئلہ، لوہا، تیل، گیس یا قیمتی پتّھر وغیرہ، وہاں روزگار حاصل کرنے کے لیے اِنسانوں کی کافی تعداد جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے علاقوں میں نقل و حمل کی سہولتیں بھی موجُود ہوتی ہیں۔ معدنی علاقوں کے قریب کارخانے اور فیکٹریاں بھی قائم ہو جاتی ہیں۔ بڑے بڑے صنعتی شہر وجُود میں آجاتے ہیں اور آبادی بڑھ جاتی ہے۔

4 تجارتی شاہراہیں : جو مقامات یا علاقے تجارتی شاہراہوں پر یا اُن کے آس پاس واقع ہوں وہاں کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی راستے بھی بہُت اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے شہر اور علاقے جہاں تجارتی منڈیوں کے علاوہ بڑی بندرگاہیں اور ہوائی اڈے ہیں اُن کی آبادی بڑھ جاتی ہے۔

5 سیاسی اور معاشرتی حالات : ایسے علاقے جہاں سیاسی حالات پُرسکون ہوں، لوگوں کو معاشرتی آزادیاں اور معاشی سہولتیں مُیسّر ہوں، وہاں آبادی کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ سیاسی، مذہبی یا سماجی وجوہ کی بنا پر آبادی ایک علاقے سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبُور ہو جاتی ہے۔ جس طرح تقسیم کے وقت ہندوستان سے قریبًا ساٹھ پینسٹھ لاکھ مسلمان پاکستان میں منتقل ہو کر آ گئے۔ اسرائیل کے ناجائز قیام کے بعد دُنیا بھر کے یہوُدی اسرائیل میں آ کر جمع ہونے لگے اور ان کی وجہ سے قریبًا بیس لاکھ فلسطینی عرب مسلمان آس پاس کے مُسلم ممالک میں چلے گئے۔

آبادی میں اضافہ دُنیا کی آبادی میں تیزی سے اور مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اِس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ 1920 میں دُنیا کی آبادی 21 بلین (دو ارب دس کروڑ) تھی جو بڑھ کر 1960 میں 31 بلین (تین ارب دس کروڑ) اور 1987 میں 51 بلین (پانچ ارب دس کروڑ) ہوگئی۔ جن ممالک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے ان میں پاکستان بھی شامل ہے

آبادی میں اضافے سے کئی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اِن میں خوراک، رہائش، تعلیم علاج اور ذرائع آمد و رفت کے مسائل سرِ فہرست ہیں۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ اگر وسائلِ پیداوار میں اضافہ نہ ہو تو لوگوں کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے آبادی اور پیداوار میں توازن قائم کرنا ضروری ہے۔ جدید مشینی طریقے اختیار کر کے زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کارخانوں اور فیکٹریوں کی تعداد میں اضافہ بے تحاشا ٹریفک اور ہر شعبۂ زندگی میں مشینوں کا استعمال، ماحول کی آلودگی میں بھی اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اس آلودگی کے مُضر اثرات سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار حتیٰ کہ پودے اور فصلیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ ان سب مشکلات کا حل یہی ہے کہ تمام دستیاب وسائل کو پوری طرح کام میں لایا جائے۔ خوب محنت کر کے پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے۔ آبادی میں اضافے کی شرح کم کی جائے۔ اِس طرح موجودہ آبادی کی ضروریات پوری ہو سکیں گی اور لوگ خوشحال زندگی بسر کر سکیں گے۔

اِنتقالِ آبادی

دُنیا میں صنعتی اِنقلاب کے بعد روزگار، تعلیم اور بہتر معیارِ زندگی کی تلاش میں دیہی آبادی دیہات سے شہروں کی طرف منتقل ہونے لگی۔ اس وقت دُنیا کی قریباً 40 فیصد آبادی شہروں میں سکونت پذیر ہے۔ ترقی یافتہ مُلکوں مثلاً برطانیہ، جرمنی، سویڈن وغیرہ کی کل آبادی کا 80 فیصد حصّہ شہروں میں آباد ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک میں بھی آبادی کا بہاؤ دیہات سے شہروں کی طرف ہے۔ آبادی کے اس بہاؤ نے شہروں میں رہائش، صحّت و صفائی، علاج اور تعلیم کے مسائل کے علاوہ بے شمار انسانی اور سماجی مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اگر دیہات میں کھیتی باڑی کو ترقی دی جائے، کسانوں کو مشینی آلات، اچھے بیج، مصنوعی کھاد اور آسان شرائط پر قرضوں کی سہولتیں مہیا کر دی جائیں تو پیداوار میں اضافہ ہو گا۔ دیہی آبادی خوشحال ہو گی۔ انھیں خوراک، رہائش، تعلیم، علاج معالجے کی سہولتوں کے ساتھ بجلی، پانی اور آمد و رفت کی بہتر سہولتیں بآسانی میسّر آنے لگیں تو شہروں کی طرف آبادی کا بہاؤ رُک جائے گا۔

دُنیا کے مشہور شہر

دُنیا کے قدیم شہر عام طور پر دریاؤں کے کنارے آباد تھے کیونکہ دریاؤں کے کنارے زمین زرخیز ہوتی ہے اور آبپاشی آسان۔ دریاؤں کو آمدورفت اور رسل و رسائل کے ذریعے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ سندھ طاس میں موہن جو دڑو پانچ ہزار برس پہلے ایک آباد اور مہذّب شہر تھا اور اس کی آبادی قریباً ایک لاکھ تھی۔ وادیٔ سندھ کا دوسرا اہم شہر ہڑپہ تھا۔ اس کے علاوہ لاہور، ملتان، بہاول پور، سکھر، حیدرآباد اور بھارت میں آگرہ اور دہلی ایسے ہی شہر ہیں۔ دجلہ و فرات کی وادی میں بابل اور نینوا قدیم اور آباد شہر تھے۔ موجودہ دور میں صنعتی اور تجارتی ترقی کے باعث کئی شہر پھیل کر بہت بڑے ہو گئے ہیں اور کئی نئے شہر آباد ہو گئے ہیں۔ صنعت و حرفت اور معیشت و تجارت کے مراکز یا بین الاقوامی گزرگاہوں کی حیثیت سے کئی شہروں کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

دُنیا کے چند بڑے بڑے شہروں کا حال درجِ ذیل ہے:

مکّہ مُعظّمہ

مکّہ معظّمہ سعودی عرب میں ہے۔ یہ دُنیا کا قدیم ترین شہر اور مسلمانوں کا مقدس و محترم روحانی و دینی مرکز ہے۔ خانہ کعبہ جو خُدا کا گھر ہے، اِسی شہر میں ہے۔ خانہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ طُوفانِ نوح کے بعد اس کے نشانات مِٹ گئے۔ بعد میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے اِسے اللہ کے حُکم سے دوبارہ تعمیر کیا۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ دُنیا بھر کے مُسلمان اپنی نمازوں میں اسی طرف رُخ کرتے ہیں۔ خانۂ کعبہ کے گرد جو مسجد ہے اسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ دُنیا بھر کے مُسلمان حج کے لیے مکّہ معظّمہ ہی میں جمع ہوتے ہیں۔ مسجد حرام میں زم زم کا کنواں ہے۔ اس کے پانی کو اللہ تعالےٰ نے متبرک اور شفا بخش بنایا ہے۔ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں وہ تاریخی پتھر ہے جسے حجرِ اَسود کہتے ہیں۔ حجاج کرام طوافِ کعبہ کے وقت اس پتّھر کو بوسہ دیتے ہیں۔ اس شہر کو خُدا کے آخری پیغمبر حضرت مُحمّد صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلّم کی جائے پیدائش ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ سعودی حکومت نے یہاں مکتبہ الشریعہ (شریعت کالج) قائم کیا ہے جس میں قرآن و حدیث کے ساتھ اسلامی فِقہ (قانون) کی تعلیم دی جاتی ہے۔

دُنیا
تقسیم آبادی

بحر منجمد شمالی

دائرہ قطب شمالی

خط سرطان

خط استوا

خط جدی

بحر ہند

زیادہ گنجان آباد علاقے

کم گنجان آباد علاقے

بہت کم آباد علاقے

دنیا کے مشہور شہر

ماسکو

پیرس

استنبول

نیویارک

بیروت

قاہرہ

کراچی

دہلی

بیجنگ

شنگھائی

ٹوکیو

مکہ معظمہ

مدینہ منورہ

بیونس آئرس

سڈنی

خط سرطان

خط استوا

خط جدی

مکّہ مکرّمہ میں سائنسی اور فنی تعلیم کے جدید ادارے بھی قائم کیے گئے ہیں۔ اسلامی شریعت اور تعزیرات و حدود کے نفاذ کی برکت ہے کہ مکّہ مکرّمہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق مکمل طور پر شہرِ امن و سلامتی ہے۔ یہاں کی آبادی قریباً 0.5 ملین ہے۔

مدینہ منوّرہ

مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے مکّہ معظمہ سے ہجرت کرکے اس شہر کو اپنا مسکن بنایا تو اس کا نام مدینۃ النبیؐ (نبیؐ کا شہر) پڑ گیا۔ بعد میں یہ نام مختصر ہوکر مدینہ رہ گیا۔ اِس شہر کو یہ شہرت حاصل ہے کہ خدا کے آخری نبیؐ نے یہاں اِسلامی معاشرہ قائم کرکے دُنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔ پہلی اِسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی اور یہیں دین و شریعت کی تکمیل ہُوئی۔ آپؐ کی بنائی ہُوئی مسجد، مسجدِ نبویؐ اور آپؐ کا روضۂ مبارک بھی اِسی شہر میں ہے۔ مسجدِ نبوی کو ہر دَور میں وسعت دی جاتی رہی۔ اس کی توسیع اور تزئین و آرائش کا کام اب بھی جاری ہے۔ یہاں کی مدینہ یونیورسٹی میں دُنیا بھر کے مسلم طلبہ اور علماء علم کی پیاس بُجھانے آتے ہیں۔ اس کی آبادی قریباً 1.5 ملین ہے۔

کراچی

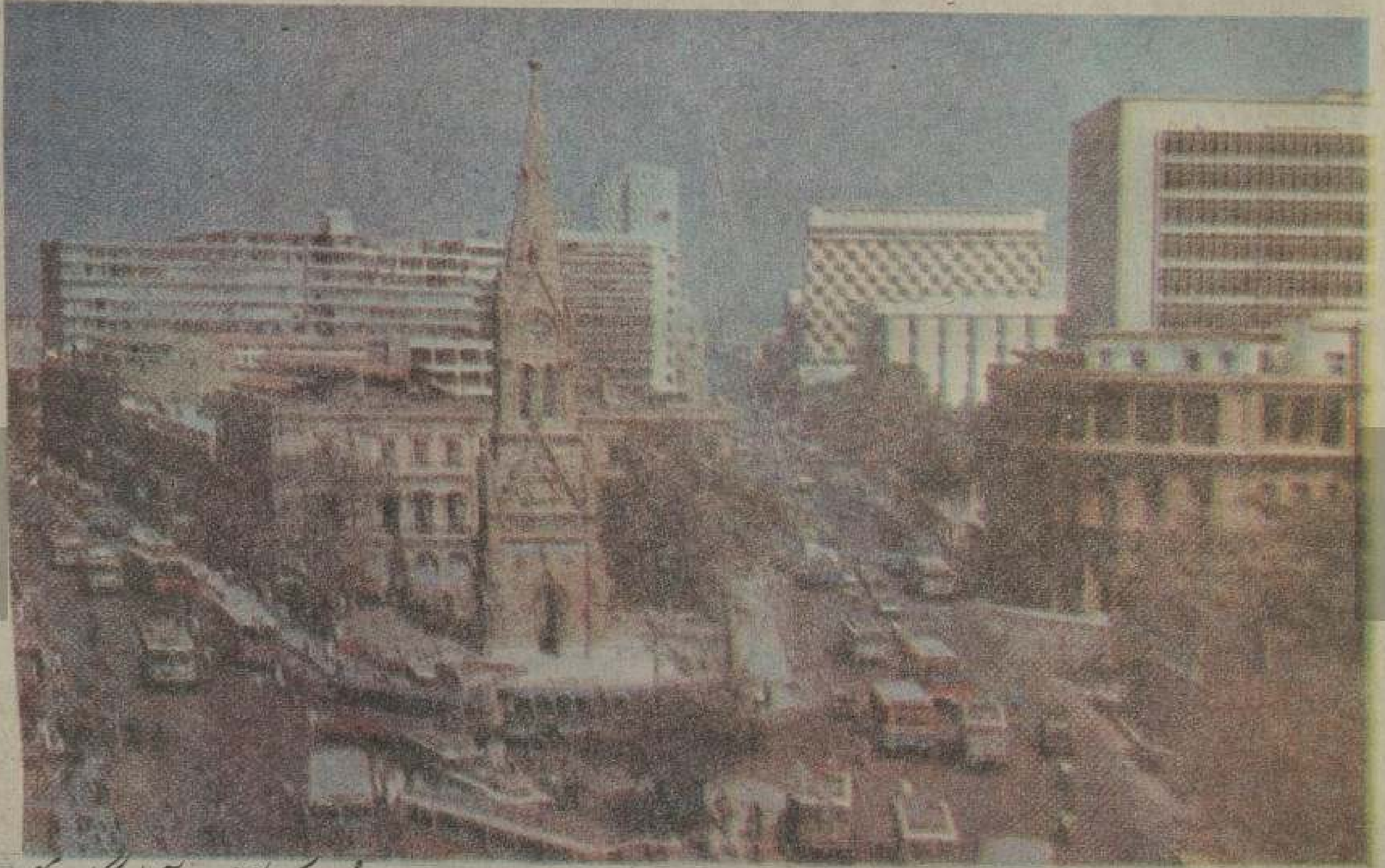
کراچی، پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع قدرتی بندرگاہ ہے۔ انیسویں صدی کے وسط سے یہاں بندرگاہی سہولتیں مہیا ہیں۔ کئی سو سال سے یہ شہر تجارت کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ اِس صدی کے اوائل میں ہَوائی سفر کا آغاز ہُوا تو کراچی دُنیا کے بڑے بڑے ہَوائی اڈّوں میں شمار ہونے لگا۔ اس وقت کراچی بین الاقوامی ہَوائی راستوں کا ایک مصرُوف ترین اڈّا ہے۔ 1947ء میں قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں بڑے پیمانے پر رہائشی، صنعتی اور کاروباری علاقے قائم ہوئے ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والے مسلمانوں کے علاوہ مُلک کے دُوسرے حِصّوں سے بڑی تعداد میں لوگ آکر یہاں آباد ہوگئے۔ قیامِ پاکستان کے وقت کراچی کی آبادی صرف 0.3 ملین تھی۔ اب اس شہر کی آبادی سات ملین کے لگ بھگ ہے۔

کراچی پاکستان کا اہم ترین تجارتی، صنعتی، تعلیمی اور ثقافتی مرکز ہے۔ یہاں کپڑا، چھوٹی مشینیں، خوراک کی اشیا، مشروبات اور ملبُوسات تیّار ہوتے ہیں: بڑی صنعتوں میں جہاز سازی اور تیل صاف کرنے کے کارخانے اہم ہیں۔ بن قاسم کے قریب فولاد سازی کے کارخانے،

خانۂ کعبہ (مکّہ معظّمہ)

مسجد نبوی (مدینہ منورہ)

"پاکستان سٹیل ملز" کی تکمیل کے بعد مُلک فولادسازی کے علاوہ بھاری صنعتوں میں ترقّی کر رہا ہے۔ مُلک کی درآمد و برآمد کو ترقّی دینے کے لیے کراچی کے قریب پورٹ قاسم کے نام سے نئی بندرگاہ تعمیر کی گئی ہے۔ کراچی یونیورسٹی، انجینئرنگ یونیورسٹی میڈیکل کالج اور کئی دوسرے ادارے تعلیم اور ٹیکنالوجی پھیلانے میں مصرُوف ہیں۔ کراچی خُوبصورت باغوں کا شہر ہے۔ ہاکس بے اور کلفٹن مشہور تفریحی مقامات ہیں۔ یہاں کا چڑیا گھر اور قومی عجائب گھر قابلِ دید ہیں۔ کراچی

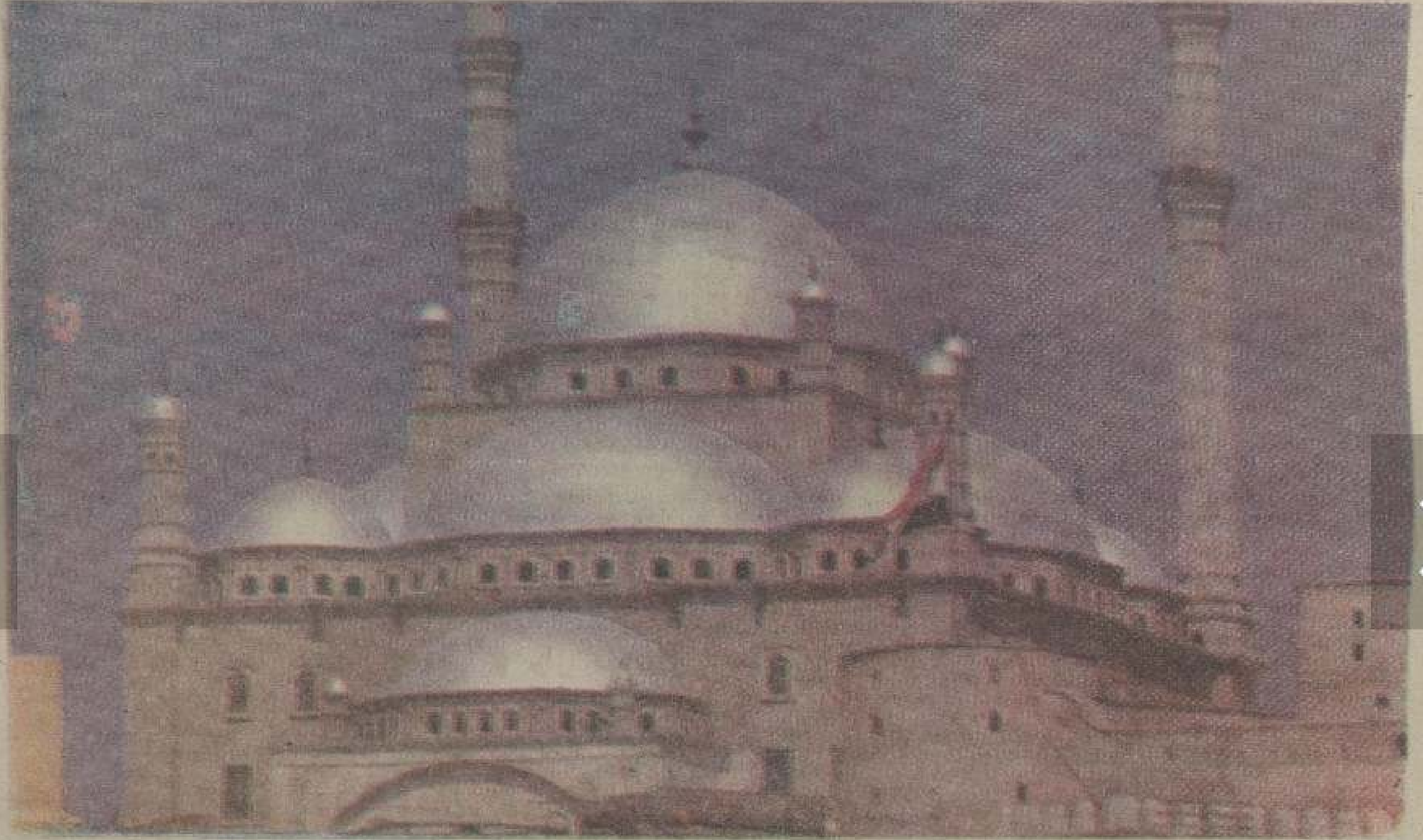


بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی جائے پیدائش بھی ہے۔ اور اُن کی آخری آرام گاہ بھی اِسی شہر میں ہے۔

استنبول

استنبول، جمہُوریہ ترکیہ کا سب سے بڑا اور مشہُور شہر ہے۔ یہ آبنائے باسفورس کے کنارے واقع ہے۔ اِس کا آدھا حصّہ یورپ میں اور آدھا حصّہ ایشیا میں ہے۔ اِس کا شمار دُنیا کے خوب صُورت اور قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ 1921ء تک یہ شہر خلافتِ عثمانیہ کا مرکز رہ چُکا ہے۔ اسے رُومی شہنشاہ قسطنطین نے آباد کیا تھا۔ اُسی کے نام پر اِس کا نام قسطنطنیہ تھا۔ سُلطان مُحمّد فاتح نے اِسے فتح کیا تو اِس کا نام اِسلامبول رکھا جو بعد میں استنبول ہو گیا۔ مشہُور صحابیٔ رسُول حضرت ابو ایّوب انصاریؓ کا

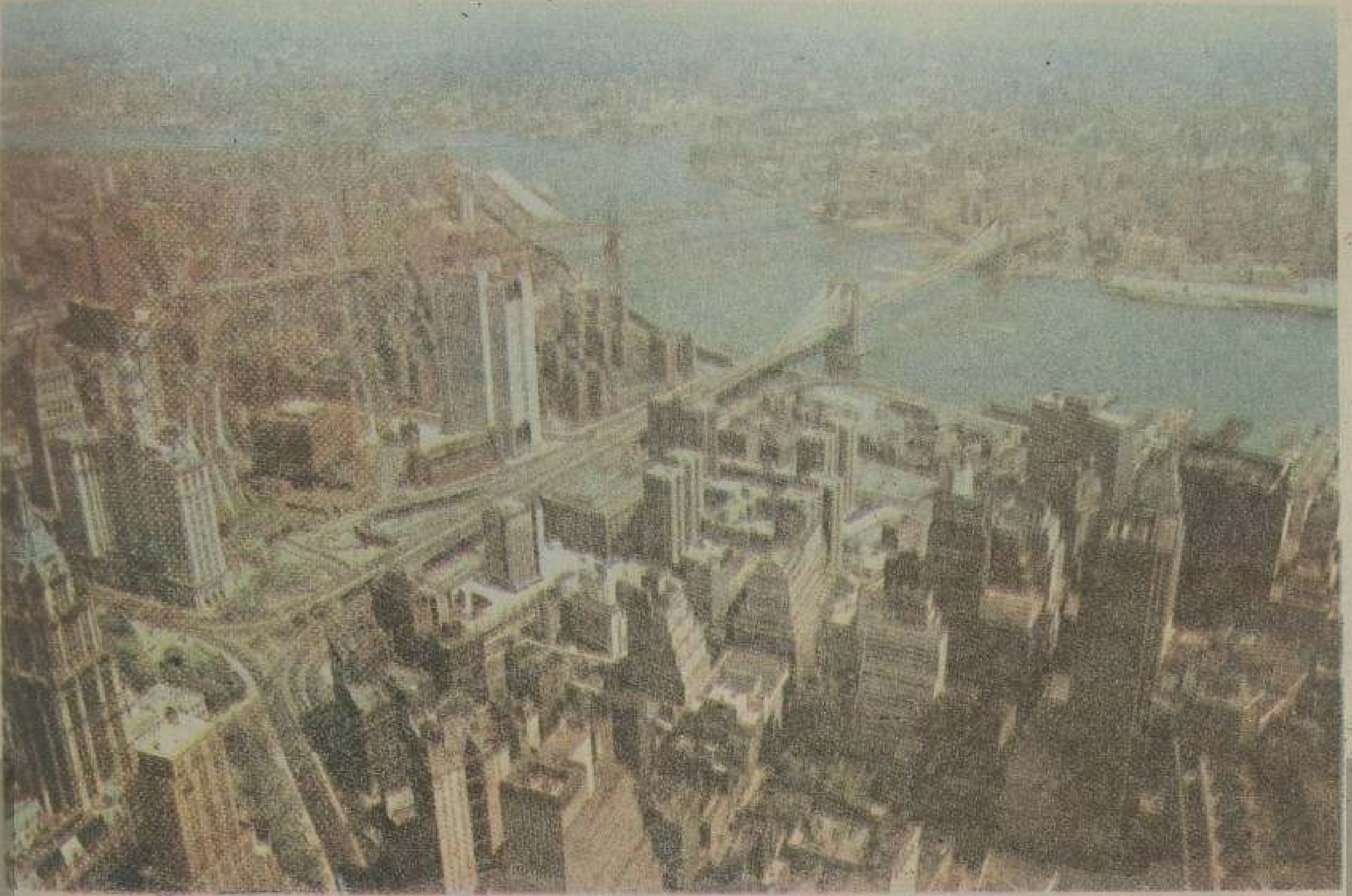
مزار اِسی شہر کی فصیل کے پاس ہے۔ وہ امیر معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں تھے اور یہیں شہید ہُوئے۔ مسجد سلیمان اعظم اور مسجد ایا صوفیہ یہاں کی مشہُور تاریخی مسجدیں ہیں۔ یہاں پانچ سو مساجد اور کئی عجائب گھر ہیں۔ یہاں کے توپ کاپی عجائب گھر میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مُوئے مبارک، لباس اور دوسرے تبرکات محفوظ ہیں۔ یہ شہر پُرانے



زمانے کے محلات، زمین دوز ریلوں اور بین الاقوامی ہوائی اڈے کے علاوہ تمباکو اور قالینوں کی صنعت کی وجہ سے مشہُور ہے۔ اِس کی آبادی قریبًا 6.6 ملین ہے۔

نیوُیارک

نیویارک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی آٹھ ملین کے لگ بھگ ہے۔ یہ بحرِاوقیانوس کے مشرقی ساحل پر واقع بہت اچھی اور بڑی بندرگاہ ہے۔ اسے نہروں کے ذریعے مُلک کی بڑی بڑی جھیلوں سے مِلا دیا گیا ہے۔ یہاں سے اندرُونی علاقوں تک جہازرانی کے باعث اِس بندرگاہ کی اہمیّت بڑھ گئی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا زیادہ تر تجارتی مال اِسی بندرگاہ سے درآمد برآمد کیا جاتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ کاروبار اور سرمایہ کاری کے اعتبار سے نیوُیارک دُنیا کا امیر ترین شہر ہے۔ یہ شہر ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات و رسائل کا گڑھ ہے۔ اقوامِ متحدہ کا



صدر دفتر اور دنیا کی سب سے اُونچی عمارت 'ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ' اسی شہر میں ہیں ۔

لندن

لندن برطانیہ کا دارالحکومت ہے۔ دریائے ٹیمز کے دہانے پر واقع ہے اور عُمدہ بندرگاہ ہے۔ صنعت و تجارت کا اہم مرکز اور بین الاقوامی ہوائی اڈا ہے۔ اس کی آبادی دس ملین کے لگ بھگ ہے۔ یہ شہر مُلک کی تمام ریلوں کا مرکز ہے۔ شہر میں زیرِ زمین ریلوں کا جال بچھا ہُوا ہے جن کے ذریعے لاکھوں افراد روزانہ سفر کرتے ہیں۔ لندن علمی اور ثقافتی اداروں کا مرکز اور قابلِ دید عمارتوں کا شہر ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی ، لندن سکول آف اکنامکس ، رائل کالج آف سرجنز ، پارلیمنٹ ہاؤس ، شاہی محلات ، بنک آف انگلینڈ ، انڈیا آفس لائبریری ، برٹش میوزیم ، ہائیڈ پارک ، اخبارات و رسائل کے مرکز فلیٹ سٹریٹ کے علاوہ کئی تجارتی و کاروباری ادارے ، تھیٹر ، عجائب گھر اور چڑیا گھر ہیں جو اِس شہر کی رونق ، خوبصورتی اور شہرت کا سبب ہیں۔ لندن میں مُسلمانوں نے بھی کئی مساجد اور تبلیغی و تعلیمی مراکز قائم کر لیے ہیں۔ گرینچ جو ایک چھوٹی سی بستی ہے ، لندن کے قریب واقع ہے۔ اس بستی کو صفر درجہ طول بلد تسلیم کیا گیا ہے۔ دُنیا بھر کے وقت کو یہاں کے لیے



معیاری وقت مانا گیا ہے ۔ اسکی آبادی 6.8 ملین ہے ۔

ٹوکیو

طوکیو " چڑھتے سورج کی سرزمین " جاپان کا دارالحکومت اور قدیم تاریخی شہر ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 8.1 ملین ہے۔ یہ شہر صنعت وحرفت کا مرکز ہے۔ یہاں ایک الگ صنعتی علاقہ بھی قائم ہے۔ جہاں چھوٹے بڑے کارخانے قائم ہیں۔ ان کارخانوں میں مشینری، کپڑا، بجلی کا سامان، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کیمرے، گھڑیاں اور بے شمار دوسری چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ بھاری صنعتوں میں جہاز سازی اور تیل صاف کرنے کے کارخانے قائم ہیں۔ اندرون شہر کئی لائنیں ہیں جو شہر کے تمام حصوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔ یہاں کی ایک پٹڑی پر چلنے والی مونو ریل بہت مشہور ہے۔ اس کی پٹڑی سطح زمین سے بلند ہے جو دوسری لائنوں اور سڑکوں کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہاں کا ریلوے نظام دنیا کا بہترین نظام مانا جاتا ہے۔ طوکیو میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ اس لیے زیادہ تر مکان لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ طوکیو کی رہائشی اور مضافاتی بستیاں اتنی پھیل گئی ہیں کہ قریب کے چھوٹے چھوٹے شہر طوکیو ہی کا حصہ بن گئے ہیں۔ طوکیو میں کئی

اعلیٰ یونیورسٹیاں ، بڑی بڑی لائبریریاں ، عجائب گھر اور تھیٹر ہیں۔ شاہی محلات ، اسمبلی بلڈنگ اور کاروباری مراکز قابلِ دید ہیں۔ طوکیو کی سب سے اُونچی عمارت ٹی وی کا مینار ہے ، جو



قریب قریب شہر کے ہر حصّے سے دکھائی دیتا ہے۔ طوکیو کا شمار دُنیا کے صاف اور خُوبصُورت ترین شہروں میں ہوتا ہے۔

بیجنگ

بیجنگ عوامی جمہُوریہ چین کا دارُالحکومت اور بڑا قدیم اور مشہور شہر ہے۔ قدیم زمانے سے اہم تجارتی مرکز رہا ہے۔ 1949ء میں مُلک میں عوامی جمہوریہ کے قیام کے بعد اس شہر کی مُلکی اور بین الاقوامی اہمیّت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس دوران میں متعدّد رہائشی ، کاروباری ، تعلیمی اور سماجی اہمیّت کے منصُوبے تکمیل تک پہنچائے گئے ہیں۔ اب بیجنگ قدیم و جدید بستیوں کا ایک وسیع شہر ہے۔ بیجنگ میں سردیوں کا موسم خاصا شدید ہوتا ہے۔ شمال مغرب کی طرف سے سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ اس لیے عمارتوں کے دروازے عمُوماً جنوب کی جانب رکھے جاتے ہیں۔ شہر کے جدید حصّے میں کارخانے ، فیکٹریاں ، سکول ، کاروباری مراکز اور رہائشی مکانات تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہیں بیجنگ کا مشہور اور عظیم الشان عوامی ہال تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ہال سنگِ مرمر کے بلند و بالا ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی چھت

کنوّل جیسی ہے۔ اس میں دس ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ چین کی قومی کانگریس کا اجلاس اسی ہال میں ہوتا ہے۔ 1949ء کے انقلاب کے بعد بیجنگ کارخانوں کا مرکز بن گیا ہے۔



چھوٹی صنعتوں کے علاوہ یہاں فولاد سازی اور فولاد کی مصنوعات کا ایک عظیم کارخانہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ اس میں انجینئرنگ کا سامان، بجلی کی مشینیں اور بھاری آلات تیار ہوتے ہیں، جب کہ شہر میں ریلوے انجن، کاریں اور ٹریکٹر وغیرہ بنانے کے دوسرے کارخانے بھی موجود ہیں۔ چینی کے برتن، ہاتھی دانت اور پتھر پر نقاشی، برتن پر روغن چڑھانا، میناکاری اور کشیدہ کاری اس شہر کی خاص صنعتیں ہیں۔ یہاں تین یونیورسٹیاں اور کئی دوسرے تعلیمی اور ٹیکنیکل ادارے قائم ہیں۔ بیجنگ لائبریری اور عجائب گھر کے علاوہ اِس شہر میں چینی فنِ تعمیر کے کئی شاہکار موجود ہیں۔ اِس کی آبادی 5.7 ملین ہے۔

شنگھائی

عوامی جمہوریہ چین کا سب سے بڑا اور مشہور شہر ہے۔ یہ بہت زیادہ گنجان آباد ہے۔ آبادی کے لحاظ سے شنگھائی دُنیا کا ایک بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 7.5 ملین کے قریب ہے۔ یہ شہر تقریباً 5,800 مُربّع کلومیٹر پر پھیلا ہُوا ہے۔ یہ چین کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ بہت مشہور بندرگاہ ہے۔ بحری اور فضائی راستوں کے ذریعے دُنیا کے تمام خطّوں، حِصّوں اور بڑے بڑے شہروں سے مِلا ہُوا

ہے۔ ملک کے ہر حصے سے ریلیں اور سڑکیں یہاں تک پہنچتی ہیں۔ صنعت و حرفت اور تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ دنیا کے ہر حصے سے یہاں تجارت ہوتی اور مال آتا جاتا ہے۔ یہاں

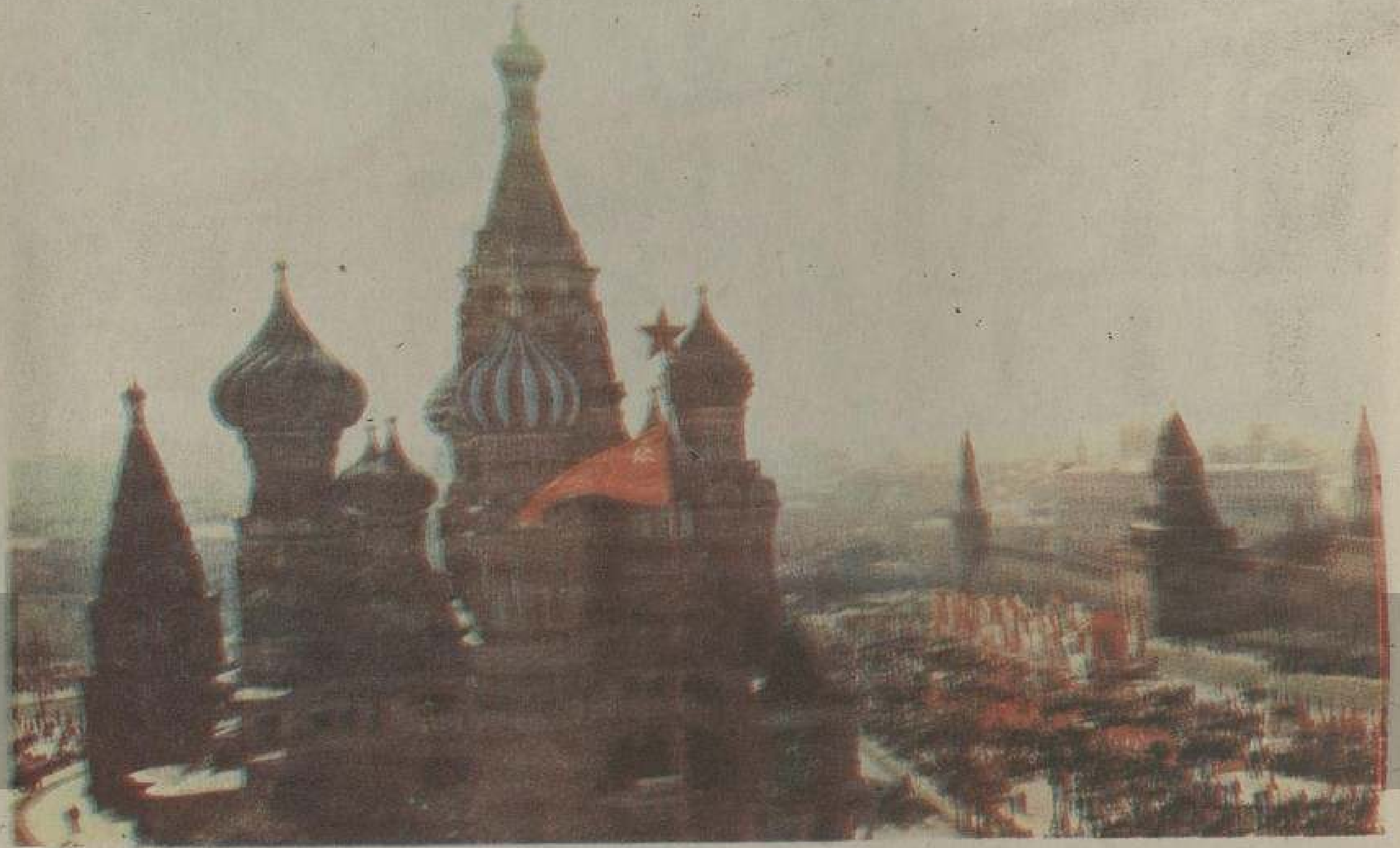


کئی یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے ہیں، جو اپنے اعلیٰ تعلیمی معیار کی بنا پر ملک بھر میں مشہور ہیں۔

ماسکو

ماسکو، روس کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی قریباً نو ملین ہے۔ اس شہر کے جنوبی حصے سے ماسکو نام کا چھوٹا سا دریا خم کھاتا ہوا گزرتا ہے۔ نہروں کے ذریعے اس دریا کو دوسرے دریاؤں سے ملا دیا گیا ہے۔ اس طرح اہم دریائی راستے ماسکو کو اطراف کے سمندری ساحلوں سے ملا دیتے ہیں۔ ماسکو ملکی ریلوں کا مرکز ہے۔ شہر میں زمین دوز ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ماسکو میں سردی کا موسم شدید ہوتا ہے۔ ماسکو میں کئی سٹیڈیم، کھیل کے میدان، تفریحی پارک، عجائب گھر، لائبریریاں، تھیٹر اور سرکس بنائے گئے ہیں۔ ماسکو سٹیٹ سرکس دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ماسکو کے قریب کوئلے اور دوسری معدنیات کی کانیں ہیں اس لیے ماسکو کے قرب و جوار میں بہت سے کارخانے قائم ہیں۔ ان کارخانوں میں کیمیاوی اشیا، کاریں، ہوائی جہاز اور مشینری تیار کی جاتی ہے۔ ماسکو کی قدیم عمارتوں میں

کریملن کا قلعہ اور پیازی شکل کے گنبدوں والا گرجا گھر انوکھے طرزِ تعمیر کے نمونے ہیں۔ گزشتہ پچاس سال میں منصوبہ بندی کے تحت ماسکو میں کئی منزلہ رہائشی عمارتیں، سکول، کالج،



تفریحی پارک، کاروباری مراکز اور صنعتی یونٹ قائم کیے گیے ہیں۔

پیرس

پیرس، فرانس کا دارالحکومت ہے۔ یہ دریائے سین پر واقع ہے۔ دریائے سین پیرس سے سمندر تک جہاز رانی کے قابل ہے۔ اس لیے پیرس دوسرے مُلکوں سے ریلوں اور سڑکوں کے ذریعے ملا ہونے کے علاوہ آبی راستوں کے ذریعے بھی ملا ہُوا ہے۔ فرانس کی تمام ریلیں اور سڑکیں پیرس میں آ کر ملتی ہیں۔ شہر میں زمین دوز ریلیں بھی چلتی ہیں۔ پیرس کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر دُنیا کے بیشتر ممالک سے جہاز آتے ہیں۔ اس شہر میں بہت سے صنعتی کارخانے ہیں۔ کئی کارخانے ایسے ہیں جن میں صرف بناؤ سنگھار اور آرائش و زیبائش کی مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ پیرس کے لوگ فیشن کے لیے دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پیرس کے قریب پُرانے زمانے کے شاہی محلات ہیں جو اپنی خوبصورتی کے لیے مشہور ہیں۔ پیرس میں دُنیا کی نادر تصاویر کا ایک عجائب گھر بھی ہے۔ شہر میں لوہے کا ایک بلند و بالا مینار ہے جسے "ایفل ٹاور"



کہتے ہیں۔ اس کا شمار دُنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ پیرس اپنی خوب صورتی، صفائی اور نت نئے فیشنوں کے باعث دُنیا میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ اسکی آبادی قریباً 22 لاکھ ہے۔

سڈنی

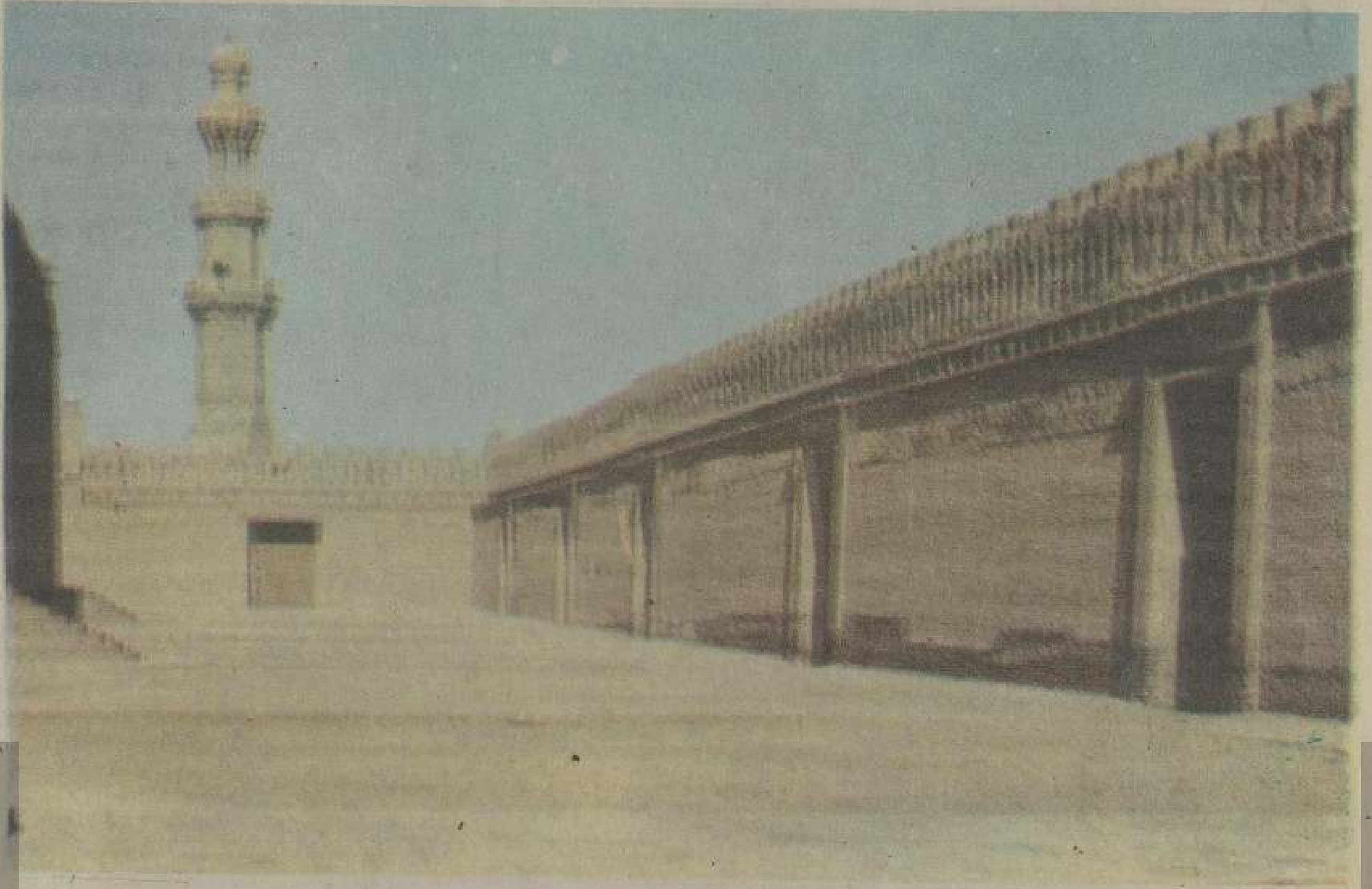
سڈنی، برِّاعظم آسٹریلیا کا ایک بڑا شہر اور نیو ساوتھ ویلز کا دارالحکومت ہے۔ یہ آسٹریلیا کے جنوب مشرقی ساحل پر واقع ایک عمدہ اور قدرتی بندرگاہ ہے۔ اس کے قریب کئی معدنیات کی کانیں ہیں اِس لیے اس شہر نے صنعت میں خوب ترقی کی ہے۔ یہاں ریلیں، شکر، جُوتے اور سگریٹ بنانے اور چمڑا رنگنے کے علاوہ گوشت پنیر، مکھن اور دُودھ وغیرہ کی مصنُوعات کے کارخانے ہیں۔ یہیں سے آسٹریلیا کا تجارتی مال باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس شہر میں کئی تعلیمی، ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ تعلیم کے ادارے قائم ہیں۔ سڈنی سڑکوں اور ریلوں کے ذریعے مُلک کے دُوسرے حصّوں سے مِلا ہُوا ہے۔ ساحل سمندر پر تعمیر ہونے والا پھُول نما اوپیرا ہاؤس اور بندرگاہ پر ستونوں کے بغیر قائم ہونے والا "سڈنی ہاربر برج" فنِ تعمیر کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ سڈنی صنعت و حرفت کے علاوہ سیاحت



کا بھی مرکز ہے ۔ ساحل سمندر پر کشتی رانی ، تیراکی اور آئس سکیٹنگ مقبول کھیل ہیں ۔ اِسکی آبادی 3.5 ملین ہے

قاہرہ

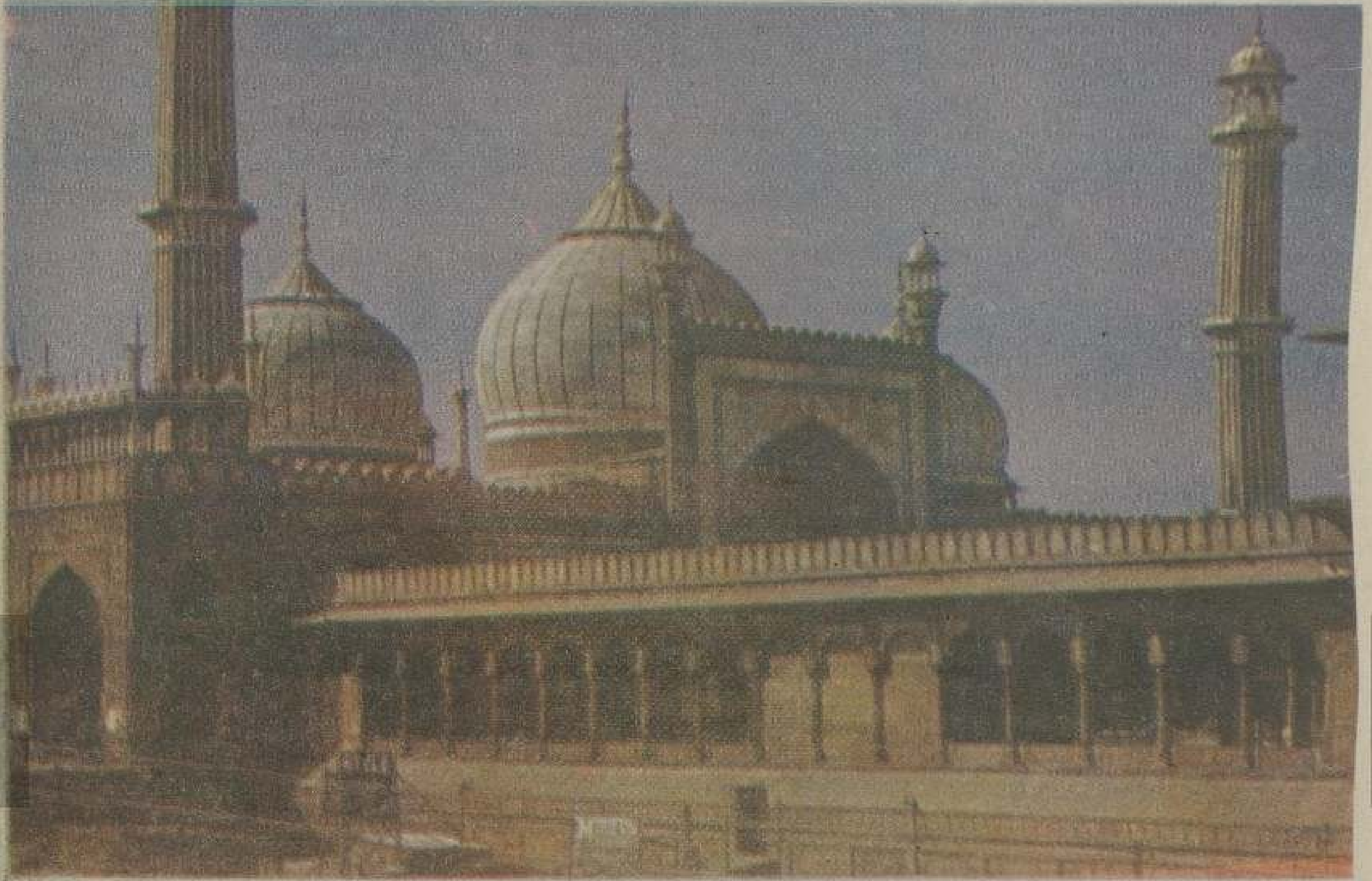
قاہرہ، متّحدہ عرب جمہوریہ مصر کا دارالحکومت ہے ۔ دریائے نیل کے کنارے واقع یہ قدیم اور تاریخی شہر برِّاعظم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے ۔ قاہرہ قدیم زمانے سے اہم تجارتی مرکز رہا ہے ۔ یہاں کے چاندی کے زیورات ریشمی کپڑے ، قالین اور عطریات بہت مشہور رہے ہیں ۔ اب اِس شہر میں جدید قسم کے صنعتی کارخانے بھی قائم ہو گئے ہیں ۔ اِن میں کپڑا ، چینی ، انجینئرنگ کا سامان موٹریں اور فرِج تیار ہوتے ہیں ۔ قاہرہ میں کئی قدیم اور تاریخی عمارتیں ہیں ۔ آبادی سے باہر سُلطان صلاح الدین ایّوبی کا بنایا ہُوا قلعہ ہے ۔ اِس قلعے میں مسجد محمّد علی اور مسجد سُلطان حسن اپنے طرزِ تعمیر کے باعث بڑی اہمیّت رکھتی ہیں ۔ شہر کے قدیم رہائشی علاقے کے وسط میں دُنیائے اِسلام کی قدیم اور مشہور یونیورسٹی جامعۃ الازہر واقع ہے ۔ شہر میں کئی درس گاہیں ، تجارتی مراکز ، میونسپلٹی اور ٹیلی ویژن سٹیشن کی عمارتیں جدید طرز پر تعمیر کی گئی ہیں ۔ دریا میں ایک جزیرے پر 84 میٹر بلند مینارِ قاہرہ اور عجائب گھر تعمیر کیا



گیا ہے۔ اس شہر کے قریب مصر کے وہ قدیم مخروطی مینار ہیں جنھیں اہرامِ مصر کہا جاتا ہے۔ ان اہرام میں قدیم مصری بادشاہوں (فرعونوں) کی لاشیں محفوظ کی گئی ہیں۔ اہرامِ مصر کا شمار دُنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 7 ملین ہے۔

دہلی دہلی بھارت کا دار الحکومت ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے یہ شہر کافی عرصے تک ملک کا دارالحکومت رہا ہے۔ مُغل بادشاہ شاہجہاں نے اُسے نئے سرے سے آباد اور آراستہ کیا۔ اس لیے اِسے شاہجہاں آباد بھی کہتے ہیں۔ انگریزوں نے 1911ء میں اسے اپنا دارالحکومت بنایا اور ساتھ ہی نیا شہر بھی بسایا جسے نئی دہلی کا نام دیا۔ اس شہر نے کئی اِنقلابات دیکھے ہیں اور کتنی حکومتیں بنتی بگڑتی دیکھی ہیں۔ سات سو سال تک یہ شہر مُسلمان بادشاہوں کا پایۂ تخت، مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا امین اور اِسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ آج بھی یہاں کی بے شمار یادگاریں بزرگانِ دین کے مقابر اور خانقاہیں اور شان دار عمارتیں مُسلمانوں کے دَور کی عظمت کی یاد

دلاتی ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، ہمایوں کا مقبرہ اور قطب صاحب کی لاٹھ قابلِ ذکر اور قابلِ دید عمارتیں ہیں۔ دہلی، بھارت کی ریلوں کا سنگم، بین الاقوامی ہوائی اڈا



اور صنعت و تجارت کے علاوہ تعلیم اور ثقافت کا مرکز ہے۔ یہاں کی جامعہ ملّیہ اور طبّیہ کالج اور دِلّی یونیورسٹی عظیم درس گاہیں ہیں۔ اس کی آبادی 8.4 ملین سے، زیادہ ہے۔

بیونس آئرس

بیونس آئرس، جنوبی امریکہ کے مُلک ارجنٹائن کا دارالحکومت، سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہ دریائے ریوڈی پلاٹا کے کنارے واقع ہے۔ پورے شہر میں جابجا خُوب صُورت باغ بنے ہُوئے ہیں۔ اس شہر میں کئی عجائب گھر، چڑیا گھر، تھیٹر اور سینکڑوں لائبریریاں ہیں۔ نیشنل لائبریری بہت بڑی ہے۔ یہاں ایک بڑی یونیورسٹی بھی ہے جسے نیشنل یونیورسٹی کہتے ہیں۔ گورنمنٹ پیلس، میونسپل آفس اور رومن کیتھولک گرجا یہاں کی قابل دید عمارتیں ہیں۔ یہ عمارتیں سپین کے طرزِ تعمیر کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ اپنی خُوب صُورتی کی وجہ سے یہ شہر جنوبی امریکہ کا پیرس کہلاتا ہے۔ اسکی آبادی قریباً 4 ملین ہے۔

3 - شہروں کی آبادی میں روز بروز اضافہ کیوں ہو رہا ہے۔ اس سے کیا مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور ان کا حل کیا ہے ؟

4 - بتائیے مندرجہ ذیل شہروں کا تعلق کس ملک سے ہے۔ ہر ایک کی اہمیت کے بارے میں دو جملے لکھیے۔

مکّہ معظمہ ، قاہرہ ، استنبول ، بیجنگ ، دہلی ، لندن ، پیرس ، نیویارک ، کراچی ، طوکیو اور بیروت۔

5 - بتائیے مندرجہ ذیل کس شہر میں واقع ہیں۔

زم زم کا کنواں ، مسجد سلیمانِ اعظم ، روضہ مُبارک ، پاکستان سٹیل ملز ، ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ ، توپ کاپی عجائب گھر ، آکسفورڈ یونیورسٹی ، جامعۃ الازہر ، کریملن کا قلعہ ، ایفل ٹاور ، قطب صاحب کی لاٹھ ، اوپیرا ہاؤس ، اہرام مصر۔

6 - مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح پر ✓ کا نشان لگائیے

(i) یورپ دُنیا کا سب سے زیادہ گنجان برِاعظم ہے۔

(ii) نیو یارک آبادی کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔

(iii) سڈنی برِاعظم آسٹریلیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔

(iv) دُنیا کے قدیم اور بڑے شہر پہاڑوں کے دامن میں آباد ہیں۔

(v) دُنیا کی آبادی کا اسّی فیصد حصّہ روئے زمین کے بیس فیصد حصّے پر آباد ہے۔

عملی کام

1 - دُنیا کے خاکے میں گنجان آباد اور کم آباد علاقے الگ الگ رنگوں میں دِکھائیے۔

2 - دُنیا کے خاکے میں مندرجہ ذیل شہروں کی نشاندہی کیجیے :

مدینہ منوّرہ ، استنبول ، سوڈان ، بیونس آئرس ، کراچی۔

3 - دُنیا کے اہم شہروں کے مختلف مناظر کی تصاویر جمع کر کے البم بنائیے۔

4 - اپنے شہر یا قصبے کی موجودہ آبادی اور دس سال پہلے کی آبادی معلوم کر کے دیکھیے کہ اس میں کتنے فیصد اضافہ ہُوا اور اس اضافے کے اسباب کیا ہیں ؟

باب : 7

سیاحت اور دریافت کا زمانہ

اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے "سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ" یعنی دُنیا کی سیر کرو۔ اِنسان کی فطرت میں نئی چیزیں ڈھونڈنے کا مادّہ پایا جاتا ہے۔ وہ تلاش کے اس سفر میں بڑی بڑی دشواریوں اور مُصیبتوں کا سامنا کرتا ہے لیکن اس کا تجسّس اسے ہر رکاوٹ پر قابو پانے میں مدد دیتا ہے اور وہ ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے۔ گہرے سے گہرے سمندر اور اُونچے سے اُونچے پہاڑ اس کے ارادوں کو کمزور نہیں کر سکتے۔ ہر ناکامی اُسے ایک نیا حوصلہ بخشتی ہے اور ہر کامیابی اسے نئی منزل کا رستہ بتلاتی ہے۔ وہ عزم و ذوق سے اپنا تلاش کا سفر جاری رکھتا ہے اور اپنے ارادوں میں کامیاب اور سُرخرُو ہوتا ہے۔ شوق و جستجو کے اس جذبے نے کبھی اسے نئے برّاعظم میں پہنچا دیا اور کبھی کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ کر دیا۔ ان مہمّوں کو سر کرنے میں اس کا سب سے طاقت ور ہتھیار عزم و استقلال ہے۔ تاریخ عالم میں ایسی ہستیاں گزری ہیں، جنھوں نے اپنے علم و فضل سے دُنیا کے تاریک گوشوں کو علم کے نُور سے منوّر کیا اور ایسے ایسے انکشافات کیے جس سے اِنسانیّت کے ورثہ میں بیش بہا اضافہ ہُوا۔

مُسلمان سیاحت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ ان کے عزم و ہمّت اور ذوق و شوق نے دُنیا کے تاریک برّاعظم کو چھان مارا اور مشرق بعید سے گزرتے ہُوئے چین تک جا پہنچے۔ انھوں نے برصغیر کے لوگوں کے درمیان زندگی کا ایک بہت بڑا حصّہ گزارا اور ہمیں ان کے مذہب، طرزِ حکومت اور تہذیب و تمدّن سے آشنا کرایا۔ مُسلمان سیاحوں نے اہلِ یورپ کو متاثر کیا جس سے وہ بھی میدانِ سیاحت میں آنکلے اور بہت سی مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ اس سَبق میں ہم دو مُسلمان سیاحوں اور تین یوربین سیاحوں کا ذکر کریں گے۔

البیرُونی

البیرُونی کا نام ابُو ریحان محمّد تھا اور باپ کا نام احمد۔ البیرُونی ان کا لقب تھا۔ وہ 4 ستمبر 973ء کو خوارزم شہر کے قریب پیدا ہُوئے۔ آج کل یہ علاقہ رُوسی ترکستان میں ہے۔ انھوں نے اِبتدائی تعلیم خوارزم میں حاصل کی۔ شروع ہی سے بڑے ذہین اور مُحنتی تھے اور جلد ہی مختلف علوم میں دسترس حاصل کرلی۔ البیرونی نے جتنی شہرت پائی اِس میں اُن کی ذاتی کوشش، محنت اور عزم کو دخل حاصل تھا۔ ان کے ماں باپ غریب تھے۔ البیرونی نے اپنے مستقبل کی بہتری کے لیے شاہ جرجان کی ملازمت اِختیار کرلی۔ شاہ جرجان نے آپ کو بڑی عزّت بخشی اور لکھنے لکھانے کے مواقع فراہم کیے۔ البیرُونی نے اس زمانے میں اپنی مشہُور کتاب "آثارالباقیہ" لکھی جس میں پُرانی قوموں کی تہذیب، معاشرت اور سیاست کے متعلّق حالات ملتے ہیں۔

خوارزم واپس آکر انھوں نے خوارزم کی تاریخ لکھی۔ اس کے بعد وہ محمُود غزنوی کے دربار میں جنگی قیدی کی حیثیت سے پہنچے۔ مگر جب سُلطان کو اُن کی علمی حیثیّت کا علم ہُوا تو انھیں بڑے عزّت واحترام سے اپنے دربار میں جگہ دی اور اپنا مشیر بنا لیا۔ برِصغیر پر محمُود غزنوی کے حملوں نے اِسلام کی اِشاعت کے لیے نئی راہیں کھول دیں۔



البیرونی قریبًا بیس سال تک برِصغیر کے طول و عرض میں گھومتے رہے۔ آپ نے پنڈتوں سے اُن کے مذہب اور فلسفہ کے متعلّق بہت کچھ سیکھا اور انھیں اس کے بدلے میں عربی اور یُونانی زبانیں سکھائیں۔ آپ نے سنسکرت جیسی مشکل زبان پر عبُور حاصل کیا اور "بھگوت گیتا" کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔

البیرُونی کو لکھنے لکھانے کا بہت شوق تھا۔ آپ نے فلسفہ، ریاضی، جغرافیہ تاریخ، طبیعات اور علمِ نجوم پر کتابیں

لکھیں۔ آپ نے ہندوستان کے متعلق اپنے تجربات و مشاہدات کو اپنی مشہور کتاب "تحقیق الہند" میں درج کیا ہے۔ اِس میں ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ، معاشرت اور تہذیب کی سچی تصویر دُنیا کے سامنے پیش کی۔ ہندو آپ کے علم و فضل سے اِتنے متاثر ہُوئے کہ آپ کو ودّیا ساگر یعنی علم کا سمندر کہنے لگے۔

البیرُونی پہلے مسلمان تھے جنھوں نے ہندوستانی شطرنج کا تعارف مُسلم مُمالک سے کرایا۔ آپ پہلے ریاضی دان تھے جنھوں نے کُرّہ ارض کے محیط کا حساب لگایا۔ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا طریقہ بھی البیرُونی نے معلوم کیا۔ آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ روشنی آواز سے زیادہ تیزی سے سفر کرتی ہے۔ علمِ نجوم میں مہارت کی وجہ سے آپ کو "جادُوگر" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے 1048ء میں وفات پائی۔

ابن بطوطہ

ابنِ بطُوطہ کا نام ابوعبدُاللہ ابن بطوطہ تھا۔ وہ مراکش کے ساحلی شہر طنجہ میں 24 فروری 1304ء کو پیدا ہُوا۔ ابنِ بطوطہ نے دینی اور اَدبی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی۔ علم حاصل کرنے کے شوق نے اسے سیاحت پر اُکسایا۔ قریبًا اُنیس سال کی عُمر میں وہ اپنے وطن سے نکلا اور قریبًا تیس سال تک اُس نے دُنیا کے مختلف مُلکوں کی سیر کی اور



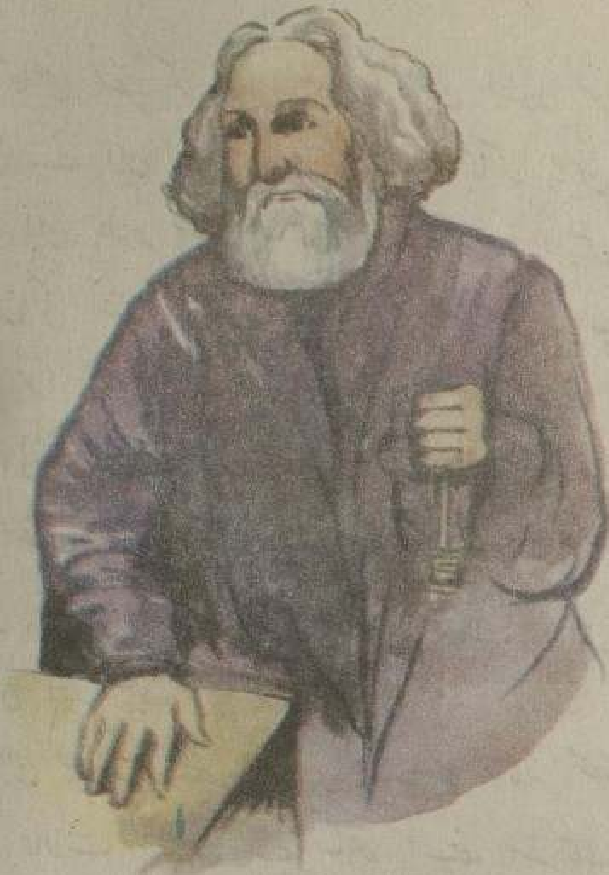
120,00 کلومیٹر کا سفر طے کیا۔ ابن بطوطہ نے براعظم افریقہ اور ایشیا کے ایک بہت بڑے حصّے کی سیر کی۔ وہ پہلے مصر اور شام کے راستے جزیرہ نمائے عرب میں پہنچا۔ فریضۂ حج کی ادائیگی اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد ایشیائے کوچک اور رُوسی ترکستان سے ہوتا ہُوا افغانستان کے راستے ہندوستان پہنچا۔ اُن دِنوں سُلطان محمدّ تغلق ہندوستان کا حکمران تھا۔ وہ عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اُس نے ابن بطوطہ کی بڑی عزّت کی اور اُسے

دہلی کا قاضی مقرر کر دیا۔ یہاں ابنِ بطوطہ مولانا بدرالدّین کے نام سے مشہور ہوا۔ سُلطان محمّد تغلق نے ابنِ بطوطہ کو اپنا سفیر بنا کر چین روانہ کیا۔ اس سفر میں اس کا جہاز تباہ ہو گیا۔ ابنِ بطوطہ سُلطان کے خوف سے واپس دہلی نہ آیا بلکہ جزائرِ مالدیپ میں چلا گیا، جہاں اس کی تقرری بطور قاضی ہو گئی۔ مالدیپ کے بعد ابنِ بطوطہ لنکا، ڈھاکہ، جاوا کی سیر کرتا ہُوا چین پہنچا۔ چین کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آنے کی بجائے سماٹرا جاوا اور کالی کٹ کے راستے عرب، شام اور مصر ہوتا ہُوا اپنے وطن پہنچ گیا۔ دو سال بعد پھر سفر پر روانہ ہو گیا اور ہسپانیہ اور سوڈان کی سیاحت کی۔ واپسی پر اسے مراکش میں قاضی بنا دیا گیا۔ قریبًا پندرہ سال تک وہ اس عہدے پر کام کرتا رہا۔ اس نے 1368ء میں وفات پائی اور طنجہ میں دفن ہُوا۔

ابن بطوطہ نے اپنی سیاحت کا زمانہ محض سیر و تفریح میں نہیں گزارا بلکہ جس جگہ گیا، وہاں کے حالات تفصیل کے ساتھ اپنے سفرنامے میں باقاعدگی سے لکھتا رہا۔ اُس نے ہندوستان کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں اور سلطان محمّد تغلق کی فیاضی اور علم دوستی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کی سخت مزاجی کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ ابنِ بطوطہ نے چین کے متعلّق لکھا ہے کہ یہ ایک پُر امن مُلک ہے۔ رستے محفوظ ہیں۔ یہاں کاغذی نوٹ چلتے ہیں جو ہتھیلی کے برابر ہوتے ہیں جن پر بادشاہ کی مہر ہوتی ہے۔ اس مُلک میں مُسلمانوں کو پُوری پُوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اِن کے مقدمات کا فیصلہ مُسلمان قاضی کرتے ہیں۔ اکثر مُسلمان تجارت پیشہ ہیں۔ ابنِ بطوطہ کا سفرنامہ اہم تاریخی اہمیّت کا حامل ہے۔ دُنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چُکا ہے۔ اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ صداقت پر مبنی ہیں۔ ایشیائے کوچک کے متعلّق ابنِ بطوطہ بتاتا ہے کہ یہ علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ وہ یُونانی زبان سے واقف نہ تھا۔ پھر بھی اس نے قُسطنطنیہ کا ذکر بڑی عمدگی سے کیا ہے ابنِ بطُوطہ پہلا شخص تھا جس نے جزائرِ مالدیپ اور سوڈان کے متعلّق کُچھ لکھا۔ اس حقیقت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابنِ بطوطہ زمانۂ ایجادات سے قبل دُنیا کا عظیم ترین سیاح ہو گزرا ہے۔

مارکو پولو

مارکو پولو دُنیا کا ایک مشہور سیّاح گزرا ہے۔ وہ 1254ء میں وینس (اٹلی) کے ایک اعلیٰ خاندان میں پیدا ہُوا۔ وہ ابنِ بطوطہ کا ہم عصر



تھا۔ مارکوپولو کی پیدائش کے وقت اس کے والد اور چچا چین کے بادشاہ قبلائی خان کی ملاقات کے لیے گئے ہُوئے تھے۔ کچھ عرصے بعد وہ واپس وطن آگئے۔ اس بار مارکوپولو اپنے چچا کے ساتھ چین روانہ ہُوا۔ وہ صحرائے گوبی عبُور کر کے قبلائی خان کے دربار میں حاضر ہُوئے۔ صحرائے گوبی بڑا دُشوار گزار صحرا ہے۔ اسے عبُور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ قبلائی خان مارکوپولو کی ہمّت، شوق اور عزم سے بے حد متاثر ہُوا۔ وہ دربار میں اکثر آتا رہتا تھا۔ اس نے بہت جلد بادشاہ کے دِل میں گھر کر لیا۔ قبلائی خان نے مارکوپولو کو سفیر بنا کر برما اور جنوبی ہندوستان بھیجا۔ بعد میں خان اعظم نے اسے چین کے ایک صوبے

کا حاکم مقرر کر دیا۔ چین میں کافی عرصہ رہنے کے بعد مارکوپولو کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔ اُس نے بادشاہ سے گھر جانے کی اِجازت چاہی۔ بادشاہ نے بڑی مشکل سے اجازت دی۔ مارکوپولو سماٹرا اور جنوبی ہندوستان کے راستے ایران پہنچا اور مختلف مُلکوں سے گزرتا ہُوا 1295ء میں وینس پہنچ گیا۔ 1298ء میں وینس اور جینوا کے درمیان لڑائی ہُوئی تو مارکوپولو گرفتار ہُوا۔ وہ ایک سال تک جیل میں رہا۔ انھی دِنوں اس نے اپنے سفر کے حالات ایک سفرنامے کی شکل میں تحریر کیے، جو بے حد دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ اُس نے اپنے سفرنامے میں مشرقی مُلکوں کی تاریخ، معاشرت، تہذیب و تمدّن اور رسم و رواج کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ 1299ء میں اسے جیل سے رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد مارکوپولو کے حالاتِ زندگی کے متعلق زیادہ پتہ نہیں چلتا۔ 9 جنوری 1324ء کو اِس مشہور مغربی سیّاح کا اِنتقال ہو گیا۔

کولمبس

کولمبس 1450ء کے لگ بھگ اٹلی کے شہر جینوا میں پیدا ہُوا۔ چند سال سکول میں رہ کر اسے مجبورًا گھر پر باپ کا ہاتھ بٹانا پڑا۔ مگر گھر پر اس نے اپنی تعلیم کا سِلسلہ جاری رکھا۔ وہ جینوا کی بندرگاہ پر ملّاحوں سے ملتا رہتا اور ان سے بحری سفروں اور دوسرے مُلکوں کے حالات معلوم کرتا رہتا۔ اسے ملاحوں کی صحبت بہت پسند آئی اور آخر کار اس نے ایک جہاز پر ملازمت کر لی۔ ملازمت کے دوران اسے چھوٹے چھوٹے بحری سفروں کے مواقع ملے جس سے جہاز رانی کے متعلق اس کی معلومات میں اضافہ ہُوا۔ کولمبس کی یہ خواہش تھی کہ وہ بڑے بڑے سمندری سفر کرے اور دُنیا کے دُور دراز مُلکوں کی سیر کرے۔ جب اٹلی میں کولمبس کو کِسی بڑے بحری سفر کا موقع نہ مِلا تو وہ پُرتگال چلا گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان اور مشرقِ بعید تک پہنچنے کے لیے نئے راستوں کی تلاش میں شریک ہو۔ لیکن شاہ پُرتگال نے اُس کی کوئی مدد نہ کی۔ نئے بحری راستوں کی ضرورت اِس لیے پیش آئی کہ یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارت بحیرۂ روم کے راستے ہوتی تھی لیکن پندرھویں صدی عیسوی کے وسط تک بحیرۂ روم اور اس کے آس پاس کے علاقے ترکوں کے قبضے میں چلے گئے تھے اور اہلِ یورپ کے لیے بحیرۂ رُوم کی تجارتی شاہراہ خطرناک ہو گئی تھی۔

کولمبس شاہ پرتگال سے مایوس ہو کر سپین چلا گیا۔ وہاں اُس نے شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کو نئے راستے کی تلاش کی مہم میں مدد دینے پر آمادہ کر لیا۔ 13 اگست 1492ء کو کولمبس تین جہازوں کے بیڑے کے ساتھ اپنے بحری سفر پر روانہ ہُوا۔ کولمبس جس جہاز پر سوار تھا، اُس کا نام "سانتا ماریا" تھا۔ سفر کا ابتدائی حصّہ بڑا خوشگوار گزرا لیکن بحرِاوقیانوس کے وسطی حصّے میں کولمبس کے بیڑے کو ناسازگار موسم اور سرکش لہروں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار کولمبس اپنے بیڑے سے ایک جزیرے پر اُترا۔ اس نے اپنے قریب کئی چھوٹے چھوٹے جزیرے دیکھے۔ وہ سمجھا کہ وہ ہندوستان کے کسی مغربی جزیرے میں پہنچ گیا ہے۔ اِسی بنا پر اس نے ان جزیروں کو غرب الہند (ویسٹ انڈیز) اور وہاں کے باشندوں کو ریڈ انڈین کا نام دیا۔ پانچ ہفتے کے قیام کے بعد کولمبس واپس ہُوا۔ واپسی پر سپین میں اُس کا شان دار اِستقبال کیا گیا۔ کولمبس ان جزائر سے اپنے ساتھ تمباکو اور آلو کے بیج بھی لایا۔ اِس طرح یہ دونوں چیزیں یورپ اور ایشیائی ممالک تک پہنچیں۔

کولمبس دوبارہ ان علاقوں کے گورنر کی حیثیّت سے ویسٹ انڈیز گیا۔ اِس مرتبہ اُس نے آگے بڑھ کر امریکہ کے مشرقی ساحل پر کچھ اور علاقے دریافت کیے۔ اِس نئی دریافت نے یورپی آبادکاروں کے لیے کشش کا سامان پیدا کر دیا۔ وہ بہت بڑی تعداد میں اِس نئے برِاعظم میں پہنچے اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی محنت اور لگن سے کئی علاقے آباد کر لیے یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ کولمبس کو زندگی کے آخری لمحے تک یہ علم نہ ہُوا کہ اُس نے کوئی نیا قطعۂ زمین یا برِاعظم دریافت کیا ہے۔ وہ اِس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ وہ ہندوستان کے مغربی جزائر میں پہنچ گیا ہے۔ تاہم کولمبس کی عظمت سے کوئی شخص اِنکار نہیں کر سکتا۔ وہ عزم و ہمّت کا پیکر تھا۔ ہزاروں مصائب اور اِنتہائی مشکلات کے باوجود وہ اپنی مہمّات میں کامیاب و کامران رہا۔

واسکوڈے گاما

واسکوڈے گاما 1460ء میں پرتگال کے شہر سائنز (SINES) میں پیدا ہُوا۔ کولمبس کی کامیابی نے یورپ کی دوسری قوموں کو بحری مُہم جوئی پر اُکسایا۔ اس میں سپین کا پڑوسی مُلک پرتگال پیش پیش تھا۔ شاہ پرتگال نے چار جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا جس میں ایک سو بیس ملاح تھے۔ قابل اور باہمّت جہازران واسکوڈے گاما اس بیڑے کا کپتان مُقرر ہُوا۔ واسکوڈے گاما



18 جُون 1497ء کو پرتگال کی بندرگاہ لزبن سے نیا بحری راستہ دریافت کرنے کی غرض سے روانہ ہُوا اور افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہُوئے راس اُمّید کے گرد چکّر لگا کر افریقہ کے مشرقی ساحل پر جا پہنچا۔ واسکوڈے گاما کو بھی کولمبس کی طرح خراب موسم اور سمندری طُوفانوں کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے ساتھی مُسلسل تکلیف دہ سفر سے دِل برداشتہ ہو کر واپسی کا مطالبہ کرنے لگے بلکہ واسکوڈے گاما کو قتل کرنے کی سازش بھی کی لیکن سازش کا بروقت علم ہو گیا اور واسکوڈے گاما نے ہوشیاری سے کام لے کر سازشیوں کو جہاز کے ایک کیبن میں بند کر دیا۔ آخر ان لوگوں نے معافی مانگ لی اور سفر یک سُوئی سے جاری رہا۔ موزمبیق پہنچ کر واسکوڈے گاما خود نا امیدی کا

شکار ہو گیا۔ آگے کھلے سمندر میں سفر کی ہمّت اس میں نہ تھی لیکن یہاں اس کی ملاقات ایک عرب ملاح احمد بن ماجد سے ہوئی جس نے واسکوڈے گاما کی رہنمائی کی اور 24 اپریل 1498ء کو کالی کٹ پہنچا دیا۔

واسکوڈے گاما نے کالی کٹ کے مقامی حاکم زیمورن کو تحفے تحائف دیے اور اس سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں ہندوستان کی تجارت پر عرب چھائے ہوئے تھے۔ فطری بات تھی کہ وہ واسکوڈے گاما کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ عرب تاجروں نے راجہ زیمورن کو آگاہ کیا کہ مغربی تاجر لٹیرے اور مفاد پرست ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ واسکوڈے گاما 1499ء میں اپنے وطن واپس آ گیا۔ 1502ء میں وہ پھر کالی کٹ پہنچا۔ اس مرتبہ اس نے راجہ کے بحری بیڑے کو تباہ کر دیا اور مسلمان تاجروں کا قتل عام کیا۔ ہندوستانی سمندروں پر پرتگیزوں کا قبضہ ہو گیا اور برصغیر کی بحری تجارت اُن کے ہاتھ میں آ گئی۔ واسکوڈے گاما کی وفات کے بعد المیڈا اور البوقرق نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور کچھ عرصے کے بعد بحرِ ہند کی تجارت کے واحد مالک بن گئے۔

مشقی سوالات

1- البیرونی نے اپنی تصانیف "آثار الباقیہ" اور "تحقیق الہند" میں کیا انکشافات کیے ہیں؟

2- ابن بطوطہ نے چین کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

3- کولمبس جزائر غرب الہند میں کیسے پہنچا۔ سفر کا حال مختصراً لکھیے۔

4- مارکو پولو کے حالاتِ زندگی لکھیے۔

5- مندرجہ ذیل جملوں میں خالی جگہ پُر کیجیے:

(i) البیرونی نے اپنی مشہور کتاب ______ میں پُرانی قوموں کے متعلق لکھا ہے۔

(ii) البیرونی نے ______ کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔

(iii) ابنِ بطوطہ پہلا شخص تھا جس نے ______ اور ______ کے متعلق کچھ لکھا۔

(iv) واسکوڈی گاما کی ایک عرب ملاح ______ نے ہندوستان تک رہنمائی کی۔

عملی کام

مشہور سیاحوں کی تصاویر جمع کر کے انھیں اپنے البم میں لگائیے۔

باب : 8

تحریکِ پاکستان

(ا) 1857ء تا 1906ء

مُسلمانوں کی حالت

جنگِ آزادی 1857ء کی ناکامی کے بعد مُسلمانوں پر جو ظلم وستم ڈھائے گئے اُس کی مثال تاریخ میں بہُت کم مِلتی ہے۔ انگریزوں نے حریت پسندوں کے علاوہ بے گناہ شہریوں سے بھی ایسا سلوک کیا کہ چنگیز اور ہلاکو کے مظالم بھی بے حقیقت نظر آنے لگے۔ ہزاروں افراد کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ بے شمار لوگ شہروں سے بھاگتے ہُوئے انگریز فوج کی گولیوں کا نِشانہ بنے۔ جو لوگ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے راہِ فرار اِختیار نہ کرسکے انھیں قتل کر دیا گیا۔ مسجدیں ویران ہوگئیں اور ان سے قیمتی چیزوں کو نِکال لیا گیا۔ شاہی مسجد میں سِکھ فوجی گھوڑے باندھتے اور شراب پیتے اور انگریزوں کے کُتّے صحن میں گھُومتے رہتے۔ مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

اگرچہ اس جنگ میں ہندُو اور مُسلمان برابر کے شریک تھے لیکن بغاوت کی تمام تر ذمّے داری مُسلمانوں پر ڈال دی گئی۔ اِنتقامی کارروائیاں بھی زیادہ تر انہی کے خلاف ہُوئیں۔ انگریز فوجی افسر ہڈسن نے بادشاہ کے تینوں بیٹوں کو گولی سے اُڑا دیا اور اُن کی لاشیں برسرِراہ پھینک دیں۔ آخری مغل تاجدار بہادُر شاہ ظفر کو قیدی بناکر رنگون بھیج دیا گیا۔

انگریزوں کے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویّے نے مسلمانوں کی اقتصادی اور سیاسی حالت کو برباد کر دیا۔ مسلمانوں پر خوف اور مایُوسی طاری تھی۔ وہ بے بسی کے عالم میں سرگرداں اور پریشان پھر رہے تھے۔ ان حالات میں برِّصغیر کی چند ہستیاں میدانِ عمل میں نِکلیں، جنھوں نے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کا تشخص منوانے میں کامیاب ہُوئے بلکہ ایک آزاد اِسلامی ریاست قائم کرنے میں سرخرُو ہُوئے۔ مسلمانوں کی اس جدوجہد کا مجموعی نام تحریکِ پاکستان ہے۔

سرسیّد کی خدمات

آپ 1817ء میں دہلی میں پیدا ہُوئے۔ آپ کے والد میر متقی شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ آپ کی والدہ ایک



نیک سیرت اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ سرسید کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں اُن کی کوششوں کو بہت بڑا دخل ہے۔ والد کے انتقال اور شاہی دربار سے وظیفہ بند ہو جانے کی وجہ سے سرسید نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کرتے ہُوئے 1855ء میں بجنور کے سب جج مُقرّر ہُوئے۔ 1858ء میں آپ کا تبادلہ مُراد آباد ہو گیا جہاں آپ نے ایک سکول قائم کیا۔ 1862ء میں آپ غازی پُور چلے آئے۔ یہاں انھوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کی بُنیاد رکھی، تاکہ مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کو دُور کیا جا سکے۔ 1866ء میں سوسائٹی کے زیرِ اہتمام سرسید نے ایک اخبار نکالا جو اُن کی وفات تک جاری رہا۔ اس اخبار کے ذریعے سرسید نے مسلمانوں کی سماجی اصلاح، تعلیمی ترقی اور سیاسی بیداری کا کام کیا۔ 1867ء میں آپ مزید ترقّی پا کر بنارس میں جج مقرّر ہُوئے۔ آپ 1869ء میں انگلستان تشریف لے گئے جہاں مغربی نظامِ تعلیم کا اچھّی طرح مطالعہ کیا تاکہ واپسی پر ہندوستان میں ایک اچھا تعلیمی ادارہ قائم کر سکیں۔ 1875ء میں علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او۔ ہائی سکول قائم کیا۔ دو سال بعد سکول کا درجہ بڑھا کر کالج بنا دیا گیا۔ 1920ء میں اسی کالج نے علی گڑھ یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ آپ کی خواہش تھی کہ مُسلمان اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے زندگی کے ہر میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ کریں۔

سرسیّد احمد خان نے ایک رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" تحریر کر کے مُسلمانوں اور انگریزوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے، انھیں دُور کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے خیال میں بغاوت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انگریزوں نے اہلِ ہند کو قانون سازی میں شریک نہ کیا جس کی وجہ سے عوام اور حکومت ایک دوسرے سے دُور ہو گئے۔

سرسیّد احمد خان شروع میں ہندو مُسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے اور دونوں قوموں

کو دُلہن کی دو خوب صورت آنکھوں سے یاد کرتے تھے۔ مگر ایک واقعے نے اُن کے خیالات میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ 1867ء میں ہندوؤں نے بڑے زور شور سے اُردو زبان کے خلاف تحریک چلائی۔ وہ اُردو کی جگہ ہندی کو دفتری زبان بنانا چاہتے تھے۔ سرسیّد کو یہ دیکھ کر بڑا دُکھ اور مایوسی ہُوئی اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مُسلمان اور ہندو اب زیادہ دیر تک اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لارڈ ہیوم نے 1885ء میں "آل انڈیا کانگریس" پارٹی کی بُنیاد رکھی، تاکہ وہ ہندوستانی عوام کی سماجی، ذہنی اور سیاسی بیداری کے لیے کام کر سکے۔ کانگریس پارٹی اپنی حدُود کے اندر نہ رہ سکی اور جلد ہی ایک فرقہ پرست جماعت بن گئی اور مسلمانوں کو ہر طرح نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئی۔ سرسیّد نے کانگریس کی چالوں کو جلد بھانپ لیا اور فیصلہ کیا کہ وہ کانگریس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ آپ نے مُسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگریس سے علیحدہ رہیں اور اس کے مطالبات کی ہرگز حمایت نہ کریں۔ اگر کانگریس کے مطالبات منظور ہو گئے تو اکثریت کی بُنیاد پر ہندو راج قائم ہو جائے گا اور مُسلمان اُن کی حکومت میں پس کر رہ جائیں گے۔

سرسیّد نے مُسلمانوں کی بہتری کے لیے وسیع خدمات سرانجام دیں۔ مُسلمانوں کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس کی طرف آپ نے توجّہ نہ دی ہو۔ تعلیم اور سیاست کے میدان میں آپ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے بعض اقدامات ایسے بھی تھے جنھیں بعض مُسلمانوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ خلوص اور دیانت داری پر مبنی تھا۔ حقیقت میں یہ سرسیّد ہی تھے جنھوں نے دو قومی نظریہ کی بُنیاد رکھی اور مسلمانوں کو ایک آزاد مُسلم ریاست کے حصُول کے لیے تیّار کیا۔

تقسیمِ بنگال

حکومتِ برطانیہ نے 1905ء میں بنگال کے وسیع و عریض صُوبے کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا تاکہ اس کا نظم و نسق بہتر طریقے سے ہو سکے۔ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بنگال کی حیثیت ایک مُلک کی سی تھی۔ نقل و حمل کے ذرائع اچھے نہ تھے۔ دُور دراز کے علاقے حکومت کی توجّہ سے بالکل محروم تھے۔ مشرقی بنگال کے باشندے جن کی اکثریت مُسلمان تھی پسماندگی کا شکار تھے۔ یہ علاقہ سرکاری سہولتوں سے بالکل

محروم تھا۔ اِن حالات میں بنگال کے دو صُوبے بنا دِیے گئے۔

مُسلمان بنگال کی تقسیم سے بہت خُوش تھے۔ مشرقی بنگال میں اُن کی اکثریت تھی اور اُن کے لیے ترقّی کے امکانات پہلے سے زیادہ پیدا ہو گئے تھے۔ وہ ہندو زمینداروں اور مہاجنوں کی لُوٹ کھسوٹ سے قدرے محفُوظ ہو گئے تھے۔ اِس کے برعکس ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مُلک بھر میں ہنگامے شروع کر دِیے۔ ہندُو رہنماؤں نے تقسیم کو دھرتی ماتا کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے تعبیر کیا۔ کانگریس کی یہ شورش تعصب اور مُسلم دشمنی کے سِوا کچھ اَور نہ تھی۔ بنگالی مُسلمانوں کی ترقّی ہندوؤں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ حسد اور رقابت کی آگ میں بھسم ہو رہے تھے۔ اُنھوں نے انگریزوں کو مرعُوب کرنے کی غرض سے انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا اور کئی انگریزوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ مُسلمانوں کو نت نئے حربوں سے تنگ کرنا شرُوع کیا۔ آخر بنگال کے مُسلمان بھی میدان میں نکل آئے اور تقسیم کو قائم رکھنے کا مطالبہ بڑی شدّت سے جاری ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض جگہوں پر ہندو مُسلم فسادات ہُوئے، جس سے مُسلمانوں اور ہندوؤں میں مزید بُعد پیدا ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ہندوؤں کی طرف داری کرتے ہُوئے 1911ء میں تقسیم بنگال کا فیصلہ واپس لے لیا۔

مشقی سوالات

1- 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مُسلمان کن مصائب سے دوچار ہُوئے؟

2- سرسیّد احمد خان کی تعلیمی اور سیاسی خدمات کا ذِکر کیجیے۔

3- تقسیم بنگال 1905ء کے کیا اسباب تھے؟ ہندُو اس تقسیم کے کیوں خلاف تھے؟

4- خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(ا) ہندوستان کے آخری مغل حکمران ______ تھے۔

(ب) سرسیّد احمد خان نے 1862ء میں غازی پُور میں ______ بنیاد رکھی۔

(ج) آل انڈیا کانگریس ______ ء میں قائم ہُوئی۔

عملی کام

1- سرسیّد احمد خان کی زندگی کا ایک چارٹ بنائیے۔

2- مشرقی بنگال کا ایک نقشہ بنائیے۔

تحریکِ پاکستان

(ب) 1906ء تا 1937ء

مُسلم لیگ کا قیام

ہندی اُردو تنازعہ اور تقسیم بنگال نے ہندوؤں کے مکروہ عزائم کو ظاہر کر دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی اِسلام دُشمن سرگرمیاں زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف انگریز حکمران لوگوں کو خُوش کرنے کے لیے کچھ آئینی اصلاحات نافذ کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ مُسلمان اپنے لیے ایک علیحدہ سیاسی جماعت بنائیں جو ان کے حقوق کی حفاظت کر سکے۔ چنانچہ یکم اکتوبر 1906ء کو سر آغا خان کی قیادت میں ایک وفد نے وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی اور مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے:

1 مُسلمانوں کے لیے جُداگانہ طریقۂ انتخاب رائج کیا جائے۔
2 مُسلمانوں کی سیاسی اہمیت کی بنا پر مجلس قانون ساز میں انھیں مقررہ تعداد سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔

لارڈ منٹو نے مسلمانوں کے ان مطالبات کی حمایت کی لیکن ہندو ناراض ہو گئے اور اِن دونوں قوموں میں جو تھوڑا بہُت مفاہمت کا جذبہ تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ مُسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ نومبر 1906ء میں نواب ڈھاکہ سلیم اللہ خان نے مُلک کے سرکردہ مُسلمانوں کا ایک اجلاس ڈھاکہ میں بُلایا۔ ڈھاکہ کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کی رُو سے دسمبر 1906ء میں آل انڈیا مُسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ سر آغا خان کو مُسلم لیگ کا پہلا صدر چنا گیا۔ اس کا صدر دفتر علی گڑھ میں قائم ہُوا۔ مُسلم لیگ کے اہم مقاصد یہ تھے۔

1 برصغیر کے مُسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کے مطالبے حکومت تک پہنچانا۔
2 ہندوستان کے مُسلمانوں میں حکومتِ برطانیہ سے وفاداری کے جذبات کو ترقّی دینا۔
3 مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے درمیان اتّحاد اور اِتّفاق پیدا کرنا۔

مسلم لیگ کی قیادت میں مُسلمانوں نے جُداگانہ طریقہ انتخاب کے لیے جدوجہد کی اور آخرکار 1909ء میں ان کا یہ مطالبہ مان لیا گیا۔ اِس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کی علیٰحدہ حیثیت کو تسلیم کر لیا جو مُسلم لیگ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ ان دِنوں دو اہم واقعات رُونما ہُوئے جن سے مسلمانوں میں غم وغصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ ایک ہندوؤں کو خُوش کرنے کے لیے انگریزوں نے 1911ء میں بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی۔ دُوسرے 1913ء میں سڑک کو کُھلا کرنے کی غرض سے کانپور کی مسجد کو شہید کر دیا گیا۔

میثاقِ لکھنؤ

ہندوؤں کے متعصب رویّے کے باوجود مسلمان لیڈروں نے یہ کوشش جاری رکھی کہ کوئی ایسا سیاسی فارمولا بنایا جائے جو برِصغیر کی دونوں قوموں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ اس مقصد کے لیے محمّد علی جناح کی کوششوں سے 1915ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاس ایک ہی وقت میں بمبئی میں ہُوئے۔ 1916ء میں دونوں کے سالانہ اجلاس پھر بیک وقت لکھنؤ میں منعقد ہُوئے اور دونوں سیاسی جماعتوں نے ایک باہمی معاہدہ کیا جسے میثاقِ لکھنؤ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی اہم خصوصیات یہ تھیں۔

1- ہندوؤں نے پہلی بار جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کیا۔

2- پنجاب میں مسلمانوں کو پچاس فیصد اور بنگال میں چالیس فیصد نشستیں دی گئیں۔

3 مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی تجویز کی گئی۔

4- مسلمان اقلیّت کے صوبوں میں اُن کی نمائندگی آبادی کے تناسب سے دوگنی کر دی گئی۔

میثاق لکھنؤ واحد معاہدہ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خُوش اسلوبی سے طے پایا اور اس کی کامیابی کا سہرا محمّد علی جناح کے سر ہے۔ میثاقِ لکھنؤ کے بعد ہندو مُسلم اتحاد کے مختصر دَور کا آغاز ہُوا اور دونوں قوموں نے مِل کر مُلک کی آزادی کے لیے کام شروع کیا۔

تحریکِ خلافت

انگریزوں نے پہلی جنگِ عظیم میں برِصغیر کے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ جنگ میں کامیاب ہُوئے تو ترکی خلافت کو برقرار رکھا جائے گا اور مُسلمانوں کے مقدّس مقامات کی حفاظت کی جائے گی۔ اُس وقت عثمانی خلافت موجودہ شام، لبنان، فلسطین، اُردن، عراق

اور عرب گویا پورے مشرقِ وسطےٰ پر محیط تھی۔ برطانیہ اُس وقت موجودہ دُنیا میں امریکہ کی طرح دُنیا کی واحد سُپر پاور یا مہا طاقت تھا اور وہ مشرقِ وسطیٰ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا تُرکی کو چٹیل میدانوں اور پتھریلی زمینوں تک محدود کیا جانے لگا۔ اور سلطان وحید الدین کو عملاً قیدی اور جی حضُوریا بنا لیا۔

لیکن اِس تحریک میں اُس وقت کے تمام نمایاں مسلمان لیڈر شامل تھے۔ جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علیخان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حسن امام، حکیم اجمل خان، مولوی فضل الحق، مولانا حسین احمد، سیّد سلیمان ندوی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ۔ مولانا آزاد کے اخبار الہلال، مولانا جوہر کے انگریزی اخبار کامریڈ، اور مولانا ظفر علیخان کے اخبار زمیندار نے تُرکوں کے ساتھ مسلمانوں کی وابستگی اور ہمدردی اور خلافت کے تحفظ و استحکام کے لیے ایک اَن تھک قلمی جہاد کیا اور اِس تحریک کو ہر کس و ناکس کے دل و دماغ میں سمو دیا۔ لیکن جنگ ختم ہوتے ہی برطانوی حکومت ترکی کے حصّے بخرے کرنے میں مصروف ہوگئی۔ مسلمانوں نے اس پر شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور ترکی کی خلافت کے تحفظ کے لیے ایک تحریک چلائی جو تحریکِ خلافت کے نام سے مشہور ہے۔ تحریکِ خلافت کے مشہور لیڈر مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تھے۔ آپ دونوں علی برادران کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ شروع میں تحریکِ خلافت کا ساتھ ہندوؤں نے بھی دیا۔

تحریکِ خلافت اپنے زوروں پر تھی کہ تُرکی میں کمال اتا ترک نے خلافت کو ختم کر کے جمہُوریہ کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں یہ تحریک برِّصغیر میں دم توڑ گئی۔ تحریک ختم ہوتے ہی ہندو مُسلم اختلافات پھر اُبھر آئے۔

نہرُو رپورٹ

نومبر 1927ء میں سائمن کمیشن اصلاحات کی غرض سے برِّصغیر میں وارد ہُوا۔ لیکن لوگوں نے اُس کا بائیکاٹ کیا۔ برطانوی وزیر لارڈ برکن ہیڈ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کوئی متفقہ دستور پیش کریں۔ چنانچہ 1928ء میں کانگریس نے دہلی میں کل جماعتی کانفرنس منعقد کی، جس کا مقصد ہندوستان کے لیے ایک دستور مرتّب کرنا تھا۔ پنڈت موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ہندو مُسلم مسئلے کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کو "نہرو رپورٹ" کہتے ہیں۔ نہرو رپورٹ نے جُداگانہ انتخابات ختم کرنے کی سفارش کی۔ محمّد علی جناح رح نے اہم ترامیم پیش کیں جو مسترد کر دی گئیں۔ مولانا محمّد علی جوہر نے "نہرو رپورٹ" کو دائمی غلامی اور ہندو غلبے سے تشبیہہ دی۔ نہرو رپورٹ

کا ایک اچھا اثر یہ ہُوا کہ مُسلمانوں نے آپس میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے حصُول کے لیے دہلی میں آل پارٹیز مُسلم کانفرنس منعقد ہُوئی۔

قائدِاعظمؒ کے چودہ نکات

نہرو رپورٹ کے جواب میں 1929ء میں آل انڈیا مُسلم لیگ کے اجلاس میں محمّد علی جناحؒ نے مطالبات پیش کیے جو بعد میں جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہُور ہُوئے۔ یہ نکات حسبِ ذیل ہیں :

1. ہندوستان کا آیندہ آئین وفاقی طرز کا ہو۔
2. ہر ایک صُوبے کو برابر کی خُود مختاری دی جائے۔
3. کِسی بھی صوبے کی اکثریت کو اقلیت میں نہ بدلا جائے اور اقلیتوں کو پُوری نمایندگی دی جائے۔
4. مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمایندگی ایک تہائی ہو۔
5. جداگانہ انتخابات کا طریقہ قائم رکھا جائے۔
6. کِسی مُسلم صُوبے کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہ کیا جائے۔
7. مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے۔
8. قانون ساز اسمبلی کوئی ایسا قانُون منظور نہیں کر سکتی جسے کِسی ایک فرقے کے تین چوتھائی نمایندوں کی حمایت حاصل نہ ہو۔
9. سندھ کو علیحٰدہ صُوبہ بنایا جائے۔
10. دوسرے صُوبوں کی طرح بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی اصلاحات کی جائیں۔
11. مُسلمانوں کو ملازمتوں میں خاطر خواہ نمایندگی دی جائے۔
12. مُسلمانوں کی ثقافت اور زبان کو آئینی تحفظ دیا جائے۔
13. کوئی مرکزی یا صوبائی کابینہ بغیر ایک تہائی مُسلمان وزراء کے تشکیل نہ دی جائے۔
14. مجلس آئین سازوفاقی اکائیوں کی رضامندی کے بغیر آئین میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے گی۔

خُطبہ الٰہ آباد

کانگریس اور ہندو جماعتوں نے ان نکات کو مسترد کر دیا۔ مُسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی آزادی اور خوشحالی کے لیے ایک علیحدہ رستہ نکالیں۔ مُسلمانوں کے ایک اور رہنما علامہ اقبالؒ نے ہندو مُسلم تعلقات کا بغور مطالعہ کیا۔ آپ نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار خطبہ الٰہ آباد 1930

میں کیا۔

1930ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ہوا۔ علامہ اقبالؒ نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ واضح کر دیا کہ مسلمان دوسری قوموں سے ہر لحاظ سے جُدا ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔"

علامہ اقبالؒ کا یہ خطبہ مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہُوا جس نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی منزل کی نشان دہی کی جس کے حصول کے بغیر اُن کے مسائل کا حل ناممکن تھا۔ مسلمان ایک آزاد ریاست ہی میں اپنی زندگیاں اپنے دین کے مطابق گزار سکتے تھے۔



برصغیر کے آئینی مسائل کے حل کے لیے لندن میں 1930ء سے 1932ء تک تین گول میز کانفرنسیں ہُوئیں۔ اُن کانفرنسوں میں مُلک کی تمام بڑی بڑی سیاسی جماعتوں اور ریاستوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ مُسلم لیگ کی طرف سے قائدِاعظمؒ اپنے چند رفقاء کے ساتھ شریک ہُوئے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے قانونی تحفظ کا مطالبہ کیا۔ بدقسمتی سے ان کانفرنسوں میں کوئی فیصلہ نہ ہوسکا اِس لیے حکومتِ برطانیہ نے اپنی مرضی کے مطابق برِصغیر میں ایک نیا دستور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء نافذ کر دیا۔

کانگریسی وزارتیں

1935ء ایکٹ کے تحت تمام صُوبوں میں اِنتخابات ہُوئے۔ کانگریس نے گیارہ میں سے سات صوبوں میں اکثریت حاصل کی اور 1937ء میں اپنی وزارتیں قائم کیں۔ ہندوؤں نے برسرِاقتدار آتے ہی مُسلمانوں

کے تہذیب و تمدّن کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔ اُردُو زبان کو ختم کرنے کی بھرپُور کوشش کی گئی۔ سکولوں میں ہندی کو لازمی قرار دیا۔ کانگریس پارٹی کا ترنگا جھنڈا زبردستی تمام سرکاری عمارتوں پر لہرایا گیا۔ بندے ماترم کے بھجن کو قومی ترانے کی حیثیت دے دی گئی۔ نماز کے وقت مسجدوں کے سامنے بینڈ باجے بجائے جاتے۔ بعض مقامات پر بے بس اور نہتے مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ مُسلمانوں کے حقوق بڑی دیدہ دلیری سے پامال کیے گئے۔ غرضیکہ مسلمانوں پر مصائب و مظالم کی اِنتہا نہ رہی اور ان کی زندگی جہنّم کا نمونہ بن گئی۔ 1939ء میں کانگریسی وزارتیں حکومتِ ہند سے اختلافات کی وجہ سے مستعفی ہوگئیں۔ اس پر مُسلمانوں نے قائدِاعظمؒ کی ہدایت پر یومِ نجات منایا۔ "پیرپور رپورٹ" نے مُسلمانوں پر کانگریس کے مظالم کو بے نقاب کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ہندو اکثریت کبھی بھی مُسلمانوں کی ہمدرد نہیں ہو سکتی۔

مشقی سوالات

1- قیامِ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کیجیے۔

2- میثاقِ لکھنؤ کی خصُوصیات تحریر کیجیے۔

3- تحریکِ خلافت پر نوٹ لکھیے۔

4- قائدِاعظمؒ کے چودہ نکات کی اہمیت بتائیے۔

5- علاّمہ اِقبالؒ کے خُطبہ آلٰہ آباد کے متعلّق آپ کیا جانتے ہیں؟

6- خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

(ا) شملہ وفد 1906ء کے قائد ______ تھے۔

(ب) تقسیم بنگال 1911ء میں ______ ہُوئی۔

(ج) تحریک خلافت میں مُسلم رہنما ______ بہت مشہور ہُوئے۔

(د) مسلمانوں نے کانگریسی وزارتوں کے خاتمہ پر یومِ ______ منایا۔

(ہ) نہرو رپورٹ ______ء میں مکمل ہُوئی۔

تحریکِ پاکستان

(ج) 1937ء تا 1947ء



مُسلم لیگ کی تنظیمِ نو

معمارِ پاکستان محمدؐ علی جناحؒ 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ دسویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے بمبئی میں وکالت شروع کر دی۔ کچھ عرصہ تک وہاں بطور مجسٹریٹ بھی کام کرتے رہے، لیکن مُلازمت جلد ہی چھوڑ دی اور وکالت میں مصروف ہو گئے اور جلد ہی ایک نامور قانون دان کی حیثیت حاصل کر لی۔ انگلستان کے قیام کے دوران ہی محمدؐ علی جناحؒ نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان واپس آکر اُنھوں نے اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ آپ نے ابتدا میں کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور بعد میں مُسلم لیگ کے رُکن بھی بن گئے۔ کانگریس کی تنگ نظری کی وجہ سے آپ اس سے علیحدہ ہو گئے۔ ہندوؤں کے رویّہ سے مایُوس ہو کر آپ انگلستان چلے گئے اور وہاں ہی مُستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ علامہ اقبالؒ، نوّاب زادہ لیاقت علی خان اور دیگر مُسلم رہنماؤں کے مجبور کرنے پر آپ وطن واپس چلے آئے اور مسلمانوں کی اوّلین سیاسی جماعت مسلم لیگ کو جو کانگریس کے مقابلے پر بے حس اور اس کے سامنے بے بس تھی، نئے سرے سے منظم کرنے اور مسلمانوں کا مقدمہ لڑنے کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے انھیں ایسی صلاحیتیں دی تھیں جن کے بل پر وہ اِس چیلنج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اُنھوں نے جماعت میں نئی روح پھونکی۔ اِسکے دروازے متوسط طبقے کے لیے کھولے اور اس میں نوجوانوں بالخصوص کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بھی شامل کیا جو تحریک خلافت کی وجہ سے بیدار تو پہلے ہی ہو چکے تھے لیکن اس

کے خاتمہ کے بعد اپنی جی داری کے اظہار کے لیے کسی ایسی جماعت اور کسی ایسے قائد کی تلاش میں تھے جو انہیں منزل کا پتہ بھی دے اور صحیح راستے پر بھی لے جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قائداعظم نے جنوبی ایشیا کی مسلم خواتین کو پہلی دفعہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کا جذبہ دیا۔ اس میں مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناح اور بیگم رعنا لیاقت علیخان نے مرکزی کردار ادا کیا اور ہر صوبے اور علاقے کی بزرگ خواتین اور طالبات سیاسی عمل میں شریک ہوگئیں۔ نتیجہ یہ کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان سالوں کا سیاسی سفر مہینوں اور مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرنے لگے۔ 10 اکتوبر 1939 تحریکِ پاکستان کا ایک اہم دن ہے۔ اس روز وائسرائے ہند نے اپنی ایک تقریر میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا۔ یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح اور قائدِاعظمؒ کی عظیم سیاسی بصیرت کا بہت بڑا ثبوت تھا۔

قراردادِ پاکستان

23 مارچ 1940 کو منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قائدِاعظم کی زیرِ صدارت مسلم لیگ کا جلسہ منعقد ہوا۔ قائداعظم نے لاہور کے اس تاریخی اور تاریخ ساز اجلاس میں جو صدارتی خطبہ دیا۔ وہ جنوبی ایشیا میں مسلم قومیت کی تاریخ کا نچوڑ بھی تھا۔ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا دو ٹوک اعلان بھی اور قیامِ پاکستان کا ناقابلِ تردید جواز بھی! اُنہوں نے فرمایا: "ہندو اور مسلمان دو متضاد مذہبی فلسفوں، سماجی رسومات اور ادبی روایات سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نہ باہمی رشتے ناطے کرتے ہیں نہ اکٹھے کھانا کھا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے منسلک ہیں۔ جو اکثر و بیشتر متصادم خیالات و تصورات پر مبنی ہیں۔ اُن کے زندگی پر اور زندگی کے بارے میں تصورات مختلف ہیں۔ سورج کی طرح روشن ہے کہ وہ تاریخ کے مختلف شعبوں سے روشنی اور ولولہ حاصل کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایک کا بڑا آدمی دوسرے کا دشمن ہے اور ایک کی فتح دوسرے کی شکست ہے۔ ایسی دو اقوام کو ایک ہی مملکت سے نتھی کر دینا۔ جن میں سے ایک عددی اکثریت ہو اور دوسری اقلیت، لازمًا روز افزوں بے چینی کا باعث ہوگا اور ہر اس نظام کو تہہ و بالا کر دیگا۔ جو ایسی مملکت کو چلانے کے لیے وضع کیا جائے گا۔ قوم کی ہر تعریف کے لحاظ سے مسلمان ایک قوم ہیں اور اُنہیں ہر صورت اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت درکار ہے"۔

اِس دلپذیر خطبے کے بعد شیر بنگال مولوی فضل حق نے قرار دادِ پاکستان پیش کی اور لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع نے اس قرار داد کو متفقہ طور پر منظور کیا۔ اس قرار داد میں کہا گیا تھا کہ وہ شمال مغربی اور مشرقی صُوبے جہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے ان سب کو ملا کر آزاد مسلمان مملکتیں بنائی جائیں۔

قرار داد منظور ہوتے ہی ہندو بوکھلا اُٹھے۔ ہندو اخبارات اور رہنماؤں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ گاندھی جی، پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور دُوسرے کانگریسی لیڈر سخت برہم تھے۔ بعض مسلم جماعتیں جیسے جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار، تحریک خاکسار وغیرہ بھی مسلم لیگ کے سخت خلاف تھیں۔ لیکن بفضلِ خُدا یہی قرار دادِ پاکستان مُسلمانوں کے ایک آزاد وطن پاکستان کا موجب بنی۔ ہندوؤں نے انگریز حکمرانوں پر زور دیا کہ وہ مُسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو ہرگز منظور نہ کریں اور برِّصغیر کو کسی قیمت پر تقسیم نہ کیا جائے۔ دُوسری طرف مُسلمان بھی اپنے قائد کی قیادت میں منزلِ مُراد کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو قدم اُٹھ چکا تھا وہ واپس نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑی سے بڑی قُربانی اور بڑے سے بڑا طُوفان ان کا راستہ نہ روک سکتے تھے۔

شملہ کانفرنس

انگریزوں نے اس دوران دو بار ہندوستان کے سیاسی بحران کے حل کے لیے کوشش کی۔ پہلے 1942ء میں برطانوی حکومت نے سر سٹفورڈ کرپس کی قیادت میں ایک مشن بھیجا جس کی تجاویز کانگریس اور مُسلم لیگ دونوں نے مسترد کر دیں۔ پھر 1945ء میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ہندوستانی لیڈروں کو بات چیت کے لیے شملہ بُلوایا۔ گاندھی جی کے علاوہ تمام اہم لیڈروں نے شملہ کانفرنس میں شرکت کی، مگر سمجھوتے کی کوئی صُورت پیدا نہ ہُوئی۔

اِنتخابات 46 1945ء

لارڈ ویول نے 46-1945ء سردی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروائے۔ ان انتخابات میں مُسلم لیگ نے شان دار کامیابی حاصل کی، جو اس کی ہر دلعزیزی کا ثبوت تھا۔ ان انتخابات نے کانگریس کا یہ دعویٰ باطل کر دیا کہ مُسلم لیگ برِّصغیر کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ برِّصغیر کے مُسلمان ہندوستان کی تقسیم چاہتے ہیں۔ اِنتخابات کے بعد قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کو یُوں خراجِ تحسین پیش کیا: "مجھے اب حصُولِ پاکستان میں کوئی شبہ نہیں رہا، کیونکہ مُسلم عوام نے سوچ سمجھ کر دُنیا کو بتا دیا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ دس کروڑ مسلمانوں کی رائے کو دُنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھکرا سکتی۔"

پاکستان کا لفظ چودھری رحمت علی نے 1933ء میں تجویز کیا تھا۔

جُون کا منصوبہ

فروری 1947ء میں برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اعلان کیا کہ جون 1948ء سے پہلے انگریز ہندوستان چھوڑ دیں گے۔ مارچ 1947ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مُقرّر کیا گیا۔ اُنھوں نے کانگریس اور مُسلم لیگ

سے طویل مذاکرات کیے اور 3 جُون 1947ء کو ایک منصوبہ پیش کیا جس میں تقسیمِ ہند کے طریقے کی وضاحت کی گئی۔ یکم جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ اس طرح آزادیٔ ہند کا قانون مرتب ہو گیا۔

پاکستان کا قیام

برِصغیر کے مسلمانوں نے قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں ہندوستان کی تقسیم کا مُطالبہ منوا لیا۔ قانونِ آزادیٔ ہند کے مطابق 15 اگست 1947ء کو برطانیہ کے اختیارات آئین ساز اداروں کو منتقل ہو گئے۔ 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب کو ہندوستان کی آزادی کا اعلان ہُوا۔ ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی رہے۔ مُسلمانوں کی آزاد مملکت پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائدِاعظم محمد علی جناحؒ مقرر ہُوئے۔ اس طرح مملکتِ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

مشقی سوالات

1 قائدِ اعظمؒ کے حالاتِ زندگی مختصراً لکھیے۔

2 قراردادِ پاکستان کی اہمیت بیان کیجیے۔

3 مختصر نوٹ لکھیے :

شملہ کانفرنس 1945ء - منصوبہ 3 جُون - 1947ء

4 خالی جگہوں کو پُر کیجیے :

(ا) پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ——— تھے۔

(ب) قراردادِ پاکستان شیرِ بنگال ——— نے پیش کی۔

(ج) کرپس مشن ——— ء میں ہندوستان آیا۔

عملی کام

1 برِصغیر کا نقشہ بنائیے اور اس میں لاہور، شملہ، کراچی، ڈھاکہ، دہلی، لکھنؤ، الٰہ آباد اور علی گڑھ کے شہر دکھائیے۔

2 مشہُور مُسلم رہنماؤں کے فوٹو جمع کیجیے اور انھیں اپنے البم میں لگائیے۔

3 پاکستان کے قومی تہواروں پر اپنے سکول میں جلسے کیجیے اور ان میں ان کی اہمیت پر مضمون پڑھیے اور تقریریں کیجیے۔

باب : 9

اقوامِ متّحدہ

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ایک ادارہ لیگ آف نیشنز کے نام سے قائم کیا گیا، تاکہ اس کے توسط سے قوموں کے تنازعات بات چیت کے ذریعے طے ہو سکیں اور جنگ کی تباہ کاریوں سے اِنسانیّت کو بچایا جا سکے۔ لیگ آف نیشنز اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ دُوسری جنگِ عظیم نے دُنیا کے بہت بڑے حِصّے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اتنی تباہی پھیلائی کہ اس نے دُنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ تمام قومیں دوبارہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئیں کہ کوئی عالمی ادارہ ایسا ہونا چاہیے جو ملکوں اور قوموں کے باہمی جھگڑے پُرامن طریقے پر نمٹا سکے اور دُنیا جنگ کی ہولناکیوں سے بچ جائے۔ چنانچہ امریکہ کے صدر روز ویلٹ اور برطانیہ کے وزیرِاعظم ونسٹن چرچل نے ایک متفقہ منشورِ آزادی تیّار کیا۔ اس منشور میں اعلان کیا گیا تھا کہ امریکہ اور برطانیہ ہر قوم کا حقِ خود ارادیت تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اپنی سرحدوں کو بڑھانا نہیں چاہتے۔ اعلان میں قوموں کا یہ حق تسلیم کیا گیا تھا کہ وہ جس قسم کی حکومت اور سیاسی نظام چاہیں اپنا سکتی ہیں۔ کسی ملک کو دُوسرے مُلک کی آزادی چھیننے کا حق نہیں ہے۔ بعد میں بہت سے مُلکوں نے اِس منشور سے اِتّفاق کیا۔ چُنانچہ اپریل 1945ء میں دُنیا کے پچاس مُلکوں کی ایک کانفرنس امریکہ کے شہر سان فرانِسسکو میں منعقد ہُوئی۔ اِس کانفرنس میں اقوامِ متّحدہ کی تنظیم UNO قائم کرنے پر اتّفاق ہُوا اور اس کا منشور (چارٹر) منظور کیا گیا۔ یہ منشور 24 اکتوبر 1945ء کو نافذ ہُوا۔ اِس لیے یہی دِن اقوامِ متّحدہ کے قیام کا دِن کہلاتا ہے۔

اقوامِ متّحدہ کے مقاصد

اقوامِ متّحدہ کے منشور کے مطابق، اِس کے مقاصد یہ ہیں:

بینُ الاقوامی امن و سلامتی کا قیام۔

قوموں کے درمیان ایسے اچھے تعلّقات پیدا کرنا جن کی بنیاد باہمی احترام، مساوات اور حقِ خود ارادی پر ہو۔

3 - قوموں کے معاشرتی ، اقتصادی ، ثقافتی اور اِنسانی مسائل کا حل تلاش کرنے میں باہمی تعاوُن کرنا اور اِنسان کے بنیادی حقُوق اور آزادیوں کا احترام کرنا۔

4 - اِن مشترک مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف اقوام میں تعاون اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے بنیادی کردار ادا کرنا۔

اقوامِ متحدہ کی تنظیم

اقوامِ متحدہ کا مستقل دفتر نیو یارک میں ہے۔ اِس کے بُنیادی ادارے چھ ہیں :

1- جنرل اسمبلی
2- سلامتی کونسل
3- اقتصادی اور سماجی کونسل
4- تولیتی کونسل
5 - بینُ الاقوامی عدالتِ انصاف
6- سیکرٹریٹ

جنرل اسمبلی

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی ، اِس کے تمام رُکن ممالک پر مشتمل ہے۔ جنرل اسمبلی میں ہر مُلک زیادہ سے زیادہ پانچ نمائندے بھیج سکتا ہے، لیکن ہر ایک ملک کا ووٹ ایک ہی شمار ہوتا ہے۔ جنرل اسمبلی کا باضابطہ اجلاس سال میں ایک بار ہوتا ہے لیکن سلامتی کونسل کی درخواست پر یا رُکن ممالک کی اکثریت کے مطالبے پر ہنگامی اجلاس بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ جنرل اسمبلی میں کسی بھی مسئلے پر بحث ہو سکتی ہے سوائے اُس مسئلے کے جو سلامتی کونسل کے ایجنڈے پر ہو۔ فیصلے سادہ اکثریت سے کیے جاتے ہیں تاہم اہم معاملات مثلاً امن و سلامتی کی سفارشات ، نئے ارکان کی منظوری ، ذیلی اداروں اور سلامتی کونسل کے لیے ممبروں کے انتخاب اور بجٹ تجاویز وغیرہ کے لیے دو تہائی اکثریت ضروری ہوتی ہے۔

سلامتی کونسل

دُنیا میں امن کے قیام کی ذمّہ داری سلامتی کونسل پر ہے۔ سلامتی کونسل کے پندرہ ارکان ہیں۔ پانچ مستقل اور دس غیر مستقل۔ مستقل ممبروں میں امریکہ ، برطانیہ ، روس ، فرانس اور چین شامل ہیں۔ ان ممبروں کو ویٹو یعنی استرداد کا حق حاصل ہے۔ اِن میں سے ہر ایک کسی بھی قرارداد کو ویٹو کے ذریعے بے اثر بنا سکتا ہے۔ غیر مستقل ارکان کو جنرل اسمبلی دو دو سال کے لیے منتخب کرتی ہے۔ سلامتی کونسل کا اجلاس کسی وقت بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ اجلاس ہر اُس مسئلے پر بحث کر سکتا ہے جو دُنیا کے امن و سلامتی کے لیے خطرے کا باعث ہو۔ سلامتی کونسل اس مسئلے کے حل کے لیے سفارشات اور تجاویز پیش کر سکتی ہے اور عملی اقدامات بھی تجویز کرتی ہے۔

سیکرٹریٹ

سیکرٹریٹ میں ایک سیکرٹری جنرل اور اُس کا عملہ ہوتا ہے۔ سیکرٹری جنرل کا تقرر جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل کی سفارش پر 5 سال کے لئے کرتی ہے سیکرٹری جنرل اقوامِ متحدہ کا اعلیٰ ترین اِنتظامی افسر ہوتا ہے۔ وہ سلامتی کونسل کی توجہ کسی بھی ایسے معاملے کی طرف مبذول کرا سکتا ہے جو اُس کے خیال میں بینُ الاقوامی امن و سلامتی کے لیے خطرہ بن سکتا ہو۔ سیکرٹری جنرل اقوامِ متحدہ کی سرگرمیوں کے بارے میں جنرل اسمبلی کو سالانہ رپورٹ بھی پیش کرتا ہے۔

بینُ الاقوامی عدالتِ اِنصاف

بینُ الاقوامی عدالت اِنصاف، اقوامِ متحدہ کا سب سے بڑا عدالتی ادارہ ہے۔ یہ پندرہ ججوں پر مشتمل ہے۔ انھیں جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل الگ الگ ووٹوں کے ذریعے مُنتخب کرتی ہیں۔ یہ عدالت اُن تمام تنازعات پر غور کرسکتی ہے جو بینُ الاقوامی قانون یا کسی معاہدے یا اقوامِ متحدہ کے منشور کے تحت اِس کے دائرۂ اِختیار میں آتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے ہر رُکن مُلک کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اِس عدالت کے فیصلوں کا اِحترام کرے۔ اِس عدالت کا دفتر ہیگ (ہالینڈ) میں ہے۔

اقتصادی و سماجی کونسل

اقتصادی و سماجی کونسل ستائیس ممبروں پر مشتمل ہے۔ ان میں نو ممبروں کا انتخاب ہر سال جنرل اسمبلی تین سال کے لیے کرتی ہے۔ یہ کونسل دُنیا کے مُلکوں کے اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی، ثقافتی اور صحت سے متعلق مسائل پر رپورٹیں اور سفارشات تیار کرتی ہے۔ کونسل انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی پابندی اور احترام کے لیے عملی تجاویز بھی مرتب کرتی ہے۔

تولیتی کونسل

تولیتی کونسل ان علاقوں کے اِنتظام اور نگرانی کے لیے قائم کی گئی ہے جو ممبر ممالک کی تولیت (نگرانی) میں دیے گئے ہوں یا اقوامِ متحدہ نے انھیں عارضی طور پر انتظام چلانے کے لیے کسی مُلک کے سُپرد کیا ہو۔ تولیتی کونسل یہ دیکھتی ہے کہ زیر تولیت علاقوں میں معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی ترقّی کے لیے ضروری اقدامات کیے جا رہے ہیں اور حقوقِ انسانی کا خیال رکھا جا رہا ہے۔

گرودرما

اقوامِ متحدہ کے خصوصی ادارے:

اقوامِ متحدہ نے نوعِ انسانی کی خدمت اور بہتری کے لیے کئی مخصوص ادارے

قائم کیے ہیں۔ اِن میں سے چند ایک ادارے یہ ہیں :

1- یونیسیف UNICEF یہ ادارہ دُنیا کے مختلف مُلکوں میں بچّوں کی تعلیم، صحت اور بھلائی کے کاموں کے لیے ضروری امداد مہیا کرتا ہے۔ اِس ادارے کا صدر دفتر نیویارک میں ہے۔

2- یونیسکو UNESCO یہ ادارہ تعلیم، سائنس اور ثقافت کے میدان میں تعاوُن اور ترقّی کے ذریعے دُنیا کے مُلکوں میں اتحاد اور امن و سلامتی کو تقویت پُہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس ادارے کا صدر دفتر پیرس میں ہے۔

3- عالمی ادارۂ خُوراک و زراعت FA.0 یہ ادارہ مختلف ممالک میں غذائی پیداوار بڑھانے، اُسے زیادہ صحت بخش بنانے اور غذائی پیداوار کی تقسیم سے متعلق منصُوبے بناتا اور عملی اقدامات کرتا ہے۔ اِس ادارے کا صدر دفتر روم (اٹلی) میں ہے۔

4 عالمی ادارۂ صحت W.H.O. یہ ادارہ دُنیا کے ممالک میں حفظانِ صحت اور صفائی کے مسائل پر غور کرتا ہے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لیے عملی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ اِنسانی صحت کے تحفظ، اور مُہلک امراض اور وباؤں کی بیخ کنی کے لیے مُختلف ممالک سے تعاوُن کرتا ہے۔ اِس ادارے کا صدر دفتر جینوا میں ہے۔

5- بینُ الاقوامی ادارۂ محنت I.L.O. یہ ادارہ دُنیا میں محنت کشوں کی عام حالت بہتر بنانے، اُن کے جائز حقُوق کی حفاظت کرنے اور اُن کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے قائم ہے۔ یہ ادارہ مزدُوروں کی ضرُوری تربیت اور رہنمائی کے انتظامات بھی کرتا ہے۔ اِس ادارے کا صدر دفتر جینوا میں ہے۔

6- عالمی بینک WORLD BANK عالمی بینک بینُ الاقوامی اقتصادی نظام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ پس ماندہ اور ضرورت مند ملکوں کو امدادی قرضے مہیا کرتا ہے اور قرضوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد

کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سرمایہ کاری اور عالمی تجارت کو فروغ دینے میں بھی یہ ادارہ مدد دیتا ہے۔ عالمی بینک کے دفاتر واشنگٹن میں ہیں۔

عالمی مسائل

مسئلہ کشمیر

مسئلہ کشمیر 1947 میں کھڑا کیا گیا جب ریڈکلف Radcliff نے صوبہ پنجاب کے مسلم اکثریتی ضلع گورداسپور کا بیشتر حصہ بھارت کو دے دیا تاکہ اسے سرینگر پہنچنے کے لیے کٹھوعہ اور جموں کا راستہ مل سکے۔

کشمیر کا کل رقبہ 2,16,246 مربع کلومیٹر ہے۔ جس میں سے بھارت صوبہ کشمیر، صوبہ جموں اور لداخ کے 1,04,960 مربع کلومیٹر پر قابض ہے۔ کشمیر کی آبادی 1941 میں 40.22 لاکھ تھی۔ جس میں 77 فیصدی (صوبہ کشمیر میں 96 فیصد اور صوبہ جموں میں 70 فیصد) مسلمان تھے۔ کشمیر ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے۔ اِس کی سرحد پاکستان سے 1443 کلومیٹر، چین سے 960 کلومیٹر اور بھارت سے صرف 507 کلومیٹر ملتی ہے۔ اِس میں آنے جانے کے چار راستے تھے۔ جن میں سے تین یعنی سرینگر جموں اور سیالکوٹ سرینگر ایبٹ آباد اور سرینگر راولپنڈی اب بھی پاکستان میں ہیں لیکن چوتھا یعنی سرینگر، جموں اور کٹھوعہ (گورداسپور) ناجائز طور پر بھارت کر دے دیا گیا۔ جغرافیائی، تاریخی، مذہبی، ثقافتی، اقتصادی اور تجارتی لحاظ سے اس کے پاکستان کے ساتھ اٹوٹ رشتے ہیں۔

یہ پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کیونکہ پاکستانی دریاؤں کے منبع اِسی میں ہیں۔ 1947 میں راجہ ہری سنگھ نے بھارت سے الحاق کر لیا۔ جس پر کشمیری عوام اور قبائلی رضا کاروں نے بغاوت کر دی۔ بھارت نے اپنی فوج سرینگر اتار دی۔ پاکستان نے بھی اپنے فوجی دستے بھیج دیئے۔ بھارتی فوج کو شکست ہوئی تو بھارتی وزیراعظم، پنڈت نہرو نے سلامتی کونسل سے اپیل کی۔ کونسل نے یکم جنوری 1949 کو جنگ بند کرا دی اور طے کیا کہ کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے استصواب کرایا جائیگا۔ اُس وقت بھارت نے یہ مان لیا۔ لیکن بعد میں وہ پھر گیا اور اقوام متحدہ کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ 1965 اور 1971 میں اس مسئلہ پر بھارت اور پاکستان میں جنگیں ہوئیں لیکن بڑی طاقتوں بالخصوص سوویت یونین نے کوئی فیصلہ نہ ہونے دیا۔

جب اہلِ کشمیر نے دیکھا کہ نہ اقوامِ متحدہ اپنی قرار دادوں کا پاس کرتی ہے نہ عالمی طاقتیں اُن کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرتی ہیں اور نہ ہی بھارت اپنے قبضے سے دستبردار ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ہندوؤں کو وہاں لا لا کر بسا رہا ہے۔ مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہا ہے۔ اور اُنہیں ہجرت پر مجبور کر رہا ہے۔ تاکہ مسلمان اکثریت کو ختم کر سکے لہٰذا انہوں نے بھارت کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ جو اب بھی جاری ہے۔ کشمیری مجاہدین سروں پر کفن باندھے ہوئے بھارت کی 6 ڈویژن فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

پاکستان ہر سطح پر اُن کی اخلاقی اور سفارتی مدد کر رہا ہے۔ اسلامی کانفرنس نے دسمبر 1994 میں کاسابلانکا کے مقام پر متفقہ قرار داد پاس کی کہ کشمیر میں ظلم و ستم بند کیا جائے اور کشمیریوں کو اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق استصواب کا موقعہ دیا جائے۔ یہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ حکومت کی قائم کردہ کشمیر کمیٹی نے عالمی ممالک کو اِس مسئلے سے آگاہ کیا ہے اور کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرنے کے لیے عالمی رائے کو بیدار اور ہموار کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

بھارت محض طاقت کے بل پر کشمیر پر قابض رہنا چاہتا ہے لیکن عوامی بغاوت کو زور سے دبا دینا کبھی ممکن نہیں ہوتا۔ اقوامِ متحدہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی قرار دادوں کی روشنی میں یہاں استصواب کرائے ورنہ یہ مسئلہ پورے علاقہ کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے اور کسی وقت بھی بارود کی طرح پھٹ سکتا ہے۔

مسئلۂ فلسطین

فلسطین مشرقِ وسطیٰ میں مُسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ انبیاءؑ کی یہ سرزمین یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں اہمیت اور تقدس کی حامل ہے۔ پہلی جنگِ عظیم تک یہ علاقہ عثمانی سلطنت کا حصہ تھا۔ جنگ میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور تجویز پیش کی کہ فلسطین میں یہودیوں کی خود مختار مملکت قائم کی جائے۔ اس وقت فلسطین میں مسلمانوں کی آبادی 93 فیصد اور یہودیوں کی صرف 7 فیصد تھی۔ مسلمانوں نے برطانوی تجویز کی سخت مخالفت کی مگر انگریزوں نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسے یہودیوں کا وطن بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی دُنیا بھر سے یہودی ترکِ وطن کر کے فلسطین میں آکر آباد ہونے لگے۔ 1948ء میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ اس کی فوجیں فلسطین کو خالی کر دیں گی۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک تجویز منظور کی کہ فلسطین کو تقسیم کر کے اس کے ایک حصے میں یہودیوں کی اور دُوسرے حصے میں فلسطینی مسلمانوں کی ریاست قائم کر دی جائے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ

سراسر زیادتی تھی۔ انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ 1948ء میں یہودیوں کی ریاست اسرائیل تو قائم کر دی گئی اور اُسے روس، امریکہ اور برطانیہ سمیت دُنیا کے مُلکوں نے تسلیم بھی کر لیا مگر مسلمانوں کی فلسطینی ریاست کو قائم نہ ہونے دیا گیا بلکہ فلسطینی مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کر کے اُنھیں بے گھر بنانے کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ فلسطینی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ مصر، شام اور دُوسرے عرب ممالک کے مسلمانوں نے بھی فلسطینی مجاہدین کی مدد کی۔ اقوامِ متحدہ نے جنگ بندی تو کرا دی مگر وہ فلسطینیوں کو اُن کے حقوق نہ دلوا سکی۔ اقوامِ متحدہ کی ہر قرارداد اور تجویز کو اسرائیل نے ٹھکرا دیا اور اُس کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا کیونکہ بڑی طاقتیں اُس کی پُشت پر تھیں۔

اب تک چار عرب اسرائیلی جنگیں اِسی مسئلہ پر ہو چکی ہیں۔ اور مزید جنگ و جدل کے امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔ یاسر عرفات (پیدائش 1929) 1969 سے پی ایل او (Palestine Liberation Organization) کے صدر ہیں۔ انہوں نے کئی سال تک اسرائیل کے خلاف تحریک انتفاضہ (بغاوت) کی قیادت کی۔

1994 میں امریکہ نے اپنے دباؤ کے تحت یاسر عرفات اور اسرائیل کے درمیان ایک ایسا معاہدہ کروا دیا جس کی رُو سے اسرائیل کو فلسطین میں قوت حاکمہ تسلیم کر لیا گیا اور اسی کے تحت فلسطینی عربوں کو یاسر عرفات کی سربراہی میں ایک محدود علاقے میں محدود اختیار دے دیا گیا۔ یہ عربوں کی نصف صدی کی لاکھوں قربانیوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اکثر عرب ممالک اِس کے خلاف ہیں۔ لیکن امریکہ اپنے نئے عالمی نظام پر مُصر ہے اور اسرائیل کو عربوں کے سینے پر مسلّط رکھنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں فلسطینی مجاہدین بدستور جہاد میں مصروف ہیں اور یاسر عرفات بھی مکمل اختیارات کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

قبرص (Cyprus) مشرقی بحیرہ روم میں واقع ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ 9,144 مربع کلو میٹر ہے۔ 1983 میں اسکی آبادی 6.53 لاکھ تھی۔ جس میں 70 فیصدی یونانی عیسائی اور 30 فیصدی تُرک مسلمان تھے۔ اِس کا دارالحکومت نکوسیا ہے۔

قبرص پر کئی سو سال تک عربوں اور پھر عثمانی ترکوں کی حکومت رہی لیکن انہوں نے عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی دیئے رکھی۔ اگر اُنہوں نے تعصب یا ظلم سے کام لیا ہوتا تو وہاں ایک عیسائی بھی نہ رہتا۔ پہلی جنگِ عالمگیر (1914 تا 1918) میں انگریزوں نے اِس پر قبضہ کر لیا۔ دوسری جنگِ عالمگیر (1939 تا 1945) میں فتح کے باوجود انگریزوں میں اتنی سکت

نہ رہی کہ وہ اپنی سلطنت قائم رکھ سکتے۔ وہ قبرص کو آزاد کرنا چاہتے تھے لیکن یونانی عیسائی قبضہ جاری رکھنے پر مُصر تھے۔ چونکہ انگریز ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ لہٰذا انہوں نے 1960 میں اسے آزاد کر دیا لیکن یہ طے کروا دیا کہ 70 فیصدی ملازمتیں اور عہدے عیسائیوں اور 30 فیصدی مسلمانوں کو ملیں گے۔ لیکن عیسائی اس سے پھر گئے اور مسلمانوں کے لیے جینا حرام کر دیا وہ ہزاروں کی تعداد میں قتل کئے گئے۔ ہزاروں ہجرت پر مجبور ہوئے اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ یونان نے عیسائیوں کی حمایت کی اور ترکی نے مسلمانوں کی۔ بالآخر 1983 میں مسلمانوں نے رؤف ڈینکتاش کی قیادت میں شمالی قبرص میں خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ ترکی، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی حمایت کے باوجود اقوامِ متحدہ اور دیگر ممالک نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قبرصی مسلمان آج بھی بے یقینی کا شکار ہیں۔

افغانستان کا مسئلہ

دسمبر 1979 میں افغانستان پر رُوسی حملے کے بعد افغانوں کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے بے شمار آدمی شہید ہوئے۔ اور لاکھوں اپنا گھر بار چھوڑ کر ایران اور پاکستان میں ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ایران نے 20 لاکھ اور پاکستان نے 35 لاکھ افغان مہاجرین کو پناہ دی۔ سویت یونین کو 10 سال بعد اپنی فوجیں واپس بُلانا پڑیں اور گوریلا جنگ کی وجہ سے اُسے اتنا جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا کہ وہ خود ہی ٹوٹ پھوٹ گیا۔

جنگ تو جیت لی لیکن جنگ کے بعد تعمیرِ نو کی بجائے افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ پاکستان، ایران اور سعودی عرب نے بار بار صلح کرائی لیکن بے سُود۔ افغان رہنما ایک تو اپنے کمانڈروں کے ہاتھوں مجبور ہیں اور دوسری طرف بین الاقوامی سازشوں کو نہیں سمجھ پا رہے۔ جنکا مقصد یہ ہے کہ چین کو زیر کیا جائے اور بھارت کو اس خطّے کی مہا طاقت بنا دیا جائے اور افغانستان میں ایک متفقہ حکومت قائم نہ ہو سکے۔ کیونکہ اِس صورت میں مسلمانوں کا ایک ٹھوس بلاک وجود میں آسکتا ہے۔ جو بڑی طاقتوں کو گوارا نہیں۔ ویسے اقوام متحدہ کے سیکرٹری کے خاص نمائندے محمود مسطری سمجھوتہ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

افغان رہنماؤں کا فرض ہے کہ تدبر اور ایثار کا ثبوت دیں، شہدا کا خون رائیگاں نہ جانے دیں اور اپنے ملک میں امن و امان اور تعمیر و ترقی کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کریں ورنہ یہ مسئلہ دن بدن اُلجھتا ہی جائیگا اور وسطی اور جنوبی ایشیا کے لیے بھی خطرناک ہو گا اور خود افغانستان کے لیے بھی!

اریٹریا

اریٹریا مشرقی افریقہ میں بحر احمر (Red sea) کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ اِس کی سرحدیں سوڈان، صومالیہ اور ایتھی اوپیا (حبشہ) سے ملتی ہیں 16ویں صدی میں یہ عثمانی سلطنت کا حصّہ بنا لیکن 1890 میں اِٹلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ جو دوسری جنگ عظیم کے دوران 1941 میں ختم ہُوا اور برطانیہ نے اس کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ 1952 میں مجلس اقوامِ متحدہ نے اِسے زبردستی ایتھی اوپیا کے وفاق میں شامل کر دیا۔ لیکن یہ شرط رکھی کہ یہ ایک خود مختار علاقہ رہے گا۔ ایتھی اوپیا نے اِس کی خود مختاری کو تسلیم نہیں کیا اور ظلم و ستم کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ جس میں 30 ہزار باشندے کام آئے اور لاکھوں اِدھر اُدھر ہجرت کر گئے۔ بالآخر 1993 میں مجلس اقوامِ متحدہ نے یہاں استصواب رائے کرایا جس میں یہاں کے لوگوں نے اپنی آزادی کے حق میں فیصلہ دیا اور یُوں یہ ایک نو آزاد مسلم مُلک بن گیا۔ اس کی آبادی 30 لاکھ ہے جس میں 75 فیصدی مسلمان ہیں۔ اسکا رقبہ 1,17,130 مربع کلو میٹر ہے۔ اِس کا دارالحکومت اَسمارا ہے۔

بوسنیا ہرزگونیا کا مسئلہ

دسمبر 1991 میں سویت یونین کا خاتمہ ہوا تو اِس میں شامل پندرہ کی پندرہ جمہوری ریاستوں نے اپنی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور اُنہیں بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک میں بھی آزادی کی لہر اُٹھی۔ یوگوسلاویہ چھ جمہوری ریاستوں کا وفاق تھا۔ شمال میں سلوینیا، اس کے ساتھ ملحق کروشیا، وسط میں بوسنیا ہرزگونیا، مشرق میں سربیا، جنوب میں مانٹی نیگرو اورانتہائی جنوب میں مقدونیہ۔اس کا رقبہ 2,52,892 مربع کلو میٹر تھا اور 1983 میں اِس کی آبادی 2,28,26,000 تھی۔ جن میں 50 فیصد یونانی عیسائی، 30 فیصد رومن کیتھولک اور 10 فیصدی مسلمان تھے۔

سب سے پہلے سلوینیا نے آزادی کا اعلان کیا اور پھر بوسنیا ہرزگونیا نے اور انہیں تسلیم بھی کر لیا گیا۔ بوسنیا ہرزگونیا کا رقبہ 51,129 مربع کلو میٹر اور 1991 میں آبادی 45 لاکھ تھی۔ جس میں 44 فیصد مسلمان، 36 فیصد سرب عیسائی اور 17 فیصد کورو شش عیسائی ہیں۔ ان تینوں کی زبان کوروش ہے اور باہمی رشتے ناطے بھی ہوتے ہیں۔ حکومت میں بھی تینوں شریک ہیں۔ صدر عالیجاہ عزت بیگووچ اور وزیر خارجہ سلاجق مسلمان ہیں۔ اِس کا دارالحکومت سرائیوو ہے۔ سربیا اور مانٹی نیگرو وفاق قائم رکھنے کے حق میں تھے جبکہ کروشیا اور مقدونیہ بھی آزادی کے خواہاں تھے۔

سربیا نے وفاق قائم رکھنے کے لیے بوسنیا ہرزگوونیا کو اپنے جبرو تشدد کا نشانہ بنایا اور نسلی تطہیر (Ethnic cleansing) کے نام سے مسلمانوں کی نسل کشی شروع کر دی ۔ اُن کے ہزاروں لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ ان کی ہزاروں خواتین کی اجتماعی آبروریزی کی ، ہزاروں ہجرت کر گئے اور لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ سربیا نے یہ سب کچھ رُوس کی شہ اور مدد پر کیا جو افغانستان کا بدلہ بوسنیا میں لے رہا ہے۔ سربیا کو رُوس اور یورپی ممالک نے کھلم کھلا اسلحہ دیا لیکن بوسنیا پر مسلسل پابندی عائد کر دی ۔ پھر بھی بوسنیا کے مسلمان تین سال سے چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر سے کہیں زیادہ سفاک دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

بوسنیا میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اُس نے یورپ کی نام نہاد تہذیب اور ترقی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے ۔ اور اِسے اندر سے بالکل کھوکھلا اور سیاہ باطن ثابت کر دیا ہے۔ مسلمان ممالک بھی زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہیں کر سکے حالانکہ اگر وہ تیل بند کرنے کی دھمکی دیتے تو بھی اہلِ یورپ کے ہوش ٹھکانے آجاتے ۔ نتیجہ یہ کہ سربیا ایک وحشی درندے کی طرح بوسنیا ہرزگوونیا کو اپنی خون آشامی کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔

پاکستان ایک تیل پیدا کرنے والا مُلک نہیں اور اِس کے وسائل محدود اور مسائل لا محدود ہیں پھر بھی حکومت اور عوام نے اپنی اپنی سطح پر بوسنیا کے لیے بہت کچھ کیا ہے مالی امداد، ادویات ، پارچات وغیرہ فراہم کیے ہیں۔ ہر سطح پر اُن کی اخلاقی اور سفارتی مدد کی ہے ۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو خود وہاں ہو آئی ہیں۔ اور ابھی حال ہی میں ایک پاکستانی وزیر، جے سالک وہاں کا دورہ کر کے آئے ہیں۔ اپوزیشن لیڈر بھی وہاں دو چکر لگا چکے ہیں ۔ غرضیکہ پاکستان بوسنیا کے مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کر رہا ہے ۔

چیچنیا کا مسئلہ

چیچنیا کا علاقہ حضرت عمرؓ کے دور میں فتح ہُوا تھا اور یہ اُس وقت سے مسلمان چلا آ رہا ہے ۔ اسے عربی میں شیشان یا شاشان کہا جاتا ہے یہ کوہِ قفقاز (مختصراً کوہ قاف) میں واقع ہے ۔ 18 ویں صدی میں زارِ رُوس نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہاں کے لوگوں نے نقشبندی سلسلہ کے بزرگ امام منصورؒ کے تحت 1785 میں رُوس کے خلاف جہاد شروع کیا جو مسلسل جاری رہا ۔ دوسرے امام غازی مُحمدؒ ہوئے ، تیسرے حمزہ بیگؒ اور چوتھے امام شاملؒ جو 35 سال تک گوریلا جنگ لڑے ۔ اُن کے بعد امام کاملؒ 1895 تک لڑتے رہے ۔ کمیونسٹوں نے اس علاقے کو ایک خود مختار ڈویژن کا درجہ دیا لیکن جہاد

جاری رہا۔ دوسری جنگ عالمگیر میں یہاں کے لوگوں نے کھلم کھلا رُوس کی مخالفت اور جرمنی کی حمایت کی۔ اس پر سٹالن نے انہیں من حیث القوم 1944 میں سائیبریا جلاوطن کر دیا خروشیف 1957 میں انہیں واپس لایا۔

چیچنیا کا رقبہ 19,300 مربع کلومیٹر ہے اور 1976 میں اسکی آبادی 11.42 لاکھ تھی جس میں 6 لاکھ سے زیادہ مسلمان تھے۔ اس کا دارالحکومت گروزنی ہے۔

یہاں کے سب مسلمان نقشبندی اور قادری اخویات (بھائی چارہ یا برادریاں) کی صورت میں منظم ہیں۔ یہ سلسلے یہاں خانقاہی نہیں بلکہ عوامی جہادی تنظیمات ہیں۔ جنرل رودائف نے نومبر 1991 میں آزادی کا اعلان کیا۔ رُوس اُس وقت اندرونی خلفشار میں مبتلا تھا لہٰذا حزبِ اختلاف کے لیڈر عمر اخترخانوف کے ذریعے رودائف کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہا جو بالکل ناکام رہی۔ لہٰذا دسمبر 1994 میں اس پر حملہ کر دیا۔ رُوس کا خیال تھا کہ وہ اِسے دو چار دن میں فتح کر لے گا۔ لیکن بیسوں گنا بڑی فوج۔ مہلک ترین ہتھیاروں اور مسلسل بمباری کے باوجود رُوسیوں کو سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔

قفقاز کا علاقہ گوریلا جنگ کے لیے موزوں ترین ہے۔ امام شاملؒ نے 35 سالہ جنگ میں تین لاکھ روسی فوجی مارے تھے۔ صدر رودائف کا اصل زور بھی گوریلا جنگ پر ہے۔ رُوس ہرقیمت پر یہاں اپنا تسلّط برقرار رکھنا چاہتا ہے کیونکہ چیچنیا قفقاز کا کویت ہے اور روس کو اِس کے تیل کی اشد ضرورت ہے لیکن چیچن مجاہدین بھی اپنی روایات کے مطابق اپنے خون سے بے مثال شجاعت و شہادت کے نئے باب رقم کر رہے ہیں!

مذکورہ بالا مسائل سب بین الاقوامی ہیں اور سب عالم اسلام سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مسلمان زیرعتاب ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام غاصبین و جارحین کی زد میں ہے۔ اقوامِ متحدہ بڑی طاقتوں کی جی حضوری میں ہے۔ عراق نے کویت پر حملہ کیا تو اقوامِ متحدہ اور امریکہ اُس کے حلیف اور طفیلی ممالک فوراً حرکت میں آ گئے لیکن غاصب اسرائیل قریباً نصف صدی سے فلسطینی عربوں کو تباہ و برباد کر رہا ہے اور قریباً چوتھائی صدی سے چار عرب ممالک کے علاقوں کو اپنے پنجے میں لیے ہوئے ہے۔ لیکن اقوامِ متحدہ کے کانوں پر جُوں نہیں رینگتی۔ بھارت کشمیر کا غاصب ہے۔ سربیا صریحًا بوسنیا پر ظُلم کر رہا ہے۔ روس چیچنیا کی آزادی کو کچلنے کے لیے ہر قسم کے جنگی اخلاق کو خیرباد کہہ رہا ہے لیکن اقوامِ متحدہ

روز بروز بڑی طاقتوں کی فرماں بردار بنتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں مسلم ممالک کو باہمی اتحاد و اشتراک کرنا چاہیے۔ اسلامی کانفرنس کو زیادہ فعال اور مؤثر بننا چاہیئے اور مُشترکہ اقدامات کرنے چاہئیں ورنہ غیر مسلم اور دہشت پسند ممالک ایک ایک کر کے انھیں اِسی طرح اپنی درندگی اور ہلاکت آفرینی کا نشانہ بناتے رہیں گے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی اور کڑی آزمائش کا وقت ہے اور ان کے تدبر اور فراست کا امتحان ہے۔

مشقی سوالات

1 – اقوامِ متّحدہ کے قیام کا خیال کیسے پیدا ہُوا؟ اقوامِ متحدہ کے مقاصد کیا ہیں؟

2 – اقوامِ متّحدہ کے اہم ادارے کون کون سے ہیں؟ یہ کیا کام کرتے ہیں؟

3 – اقوامِ متّحدہ کے درج ذیل خصوصی اداروں پر نوٹ لکھیے:

یونیسیف، یونیسکو، عالمی ادارۂ صحت، عالمی بینک، بینُ الاقوامی ادارۂ محنت، ادارۂ خوراک و زراعت۔

4 – عالمِ اِسلام کے اہم مسائل کا ذکر کیجیے اور بتائیے کہ اُنھیں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟

5 – مندرجہ ذیل بیانات میں سے دُرست اور غلط بیانات کو الگ الگ کیجیے:

(i) اقوامِ متّحدہ کی تنظیم 25 دسمبر 1945ء کو قائم ہُوئی۔

(ii) سلامتی کونسل کے مستقل ارکان کی تعداد پندرہ ہے۔

(iii) اقوامِ متّحدہ کا مقصد امن و سلامتی کا قیام ہے۔

(iv) عالمی عدالت دس ججوں پر مشتمل ہے۔

(v) جنرل اسمبلی میں کسی ممبر کو ویٹو کا حق حاصل نہیں۔

(vi) اقوامِ متّحدہ تمام جھگڑے نمٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

عملی کام

یومِ اقوامِ متّحدہ کے لیے ایک تقریر تیار کیجیے۔ اس تقریر میں اقوامِ متّحدہ کے ڈھانچے، اس کی کارکردگی اور کامیابیوں اور ناکامیوں پر روشنی ڈالیے۔

باب : 10

2000ء میں ہماری دُنیا

آپ اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ اب سے دس پندرہ سال بعد آپ عملی زندگی میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ آپ میں سے بعض مختلف دفتروں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں گے، کچھ اپنا کاروبار چلا رہے ہوں گے اور کچھ زراعت یا صنعت و حرفت میں مشغول ہوں گے۔ جس طرح آپ ترقی کرکے آگے بڑھیں گے، اسی طرح یہ دُنیا بھی اس عرصے میں ترقی کرے گی اور آگے بڑھے گی۔ آیئے، دیکھنے کی کوشش کریں کہ اُس وقت تک یہ دُنیا کتنی اور زیادہ ترقی کر چکی ہوگی اور اُس وقت تک کیسی ہو چکی ہوگی۔

آپ نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اُسی وقت سے آپ نے بس، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز میں سفر کیا ہے۔ ٹیلی فون پر باتیں کی ہیں۔ ریڈیو سُنتے رہے ہیں، ٹیلی ویژن دیکھتے رہے ہیں۔ دُنیا کے کسی حصّے میں کوئی بھی بڑی بات ہو جائے، آپ کو فوراً معلوم ہو جاتی ہے۔ اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے آپ کو ہر قسم کی خبر پہنچ جاتی ہے۔ آپ کے گھروں میں بیسیوں قسم کی مشینیں ہیں، کپڑا سینے کی، کپڑے دھونے کی، مصالحہ پیسنے کی، عرق نکالنے کی، قیمہ بنانے کی۔ ان مشینوں کو چلانے کے علاوہ بجلی سے جو اور کام لیے جاتے ہیں، ان سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ لوگ چاند تک پہنچ چکے ہیں اور خلا کے متعلق نت نئی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کائنات کے دُور و نزدیک کے سیاروں اور ستاروں کے فوٹو کھینچے جا رہے ہیں، ان تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کے متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں۔ راکٹ اور خلائی شٹل کے نام سے آپ میں سے اکثر واقف ہوں گے۔ ٹی۔ وی۔ پر انھیں اُڑتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ ان کی تیز رفتاری کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

یہ تو ہے موجودہ دُنیا کی حالت۔ آیئے اب دیکھیں کہ 2000ء میں یہ دُنیا کتنی ترقی کر چکی ہوگی اور اُس وقت دُنیا کی کیا حالت ہوگی۔

جنوری 2001ء کے ایک ماہنامہ میں 2000ء پر جو طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے، وہ حاضر خدمت ہے :

آبادی

2000ء ختم ہو چکا ہے بیسویں صدی کا یہ آخری سال دُنیا کی تاریخ اور اِنسانی زندگی میں نہایت اہم سال تھا۔ اس سال بھی دُنیا کی آبادی گزشتہ سالوں کی طرح خاصی بڑھی۔ اِس وقت ہماری دُنیا کی آبادی ایک عام اندازے کے مطابق سات ارب ہو چکی ہے۔ خُشکی میں اِتنے آدمیوں کا بسنا اور خوراک حاصِل کرنا ناممکن ہے۔ سال گزشتہ سے بڑھتی ہُوئی آبادی کا رُخ سمندروں کی طرف ہو گیا ہے۔ بحرِ ہند اور بحرِ اوقیانوس کی تہ میں کئی شہر بسنے شُروع ہو گئے ہیں اور لوگ وہاں رہائش اختیار کر رہے ہیں۔

غذا

سال گزشتہ ہماری غذائی ضروریات بھی سمندروں سے بہت زیادہ حاصِل ہُوئی ہیں۔ ان 75% غذائی ضرُوریات نے اِنسانی بھُوک کے مسئلے کو بہت حد تک حل کر دیا ہے۔ سمندر سے آبی جانوروں کے عِلاوہ ہمیں نئے نئے پھل اور سبزیاں حاصل ہُوئی ہیں، جو غذائیت میں خُشکی میں پیدا شدہ اشیاء سے کسی طرح کم نہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ سالوں میں ہم سمندر سے اس سے زیادہ غذائی ضرُوریات حاصل کر سکیں گے۔

طب کے میدان میں سائنس نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ایسے ایسے آلات و مشینیں ایجاد کی گئی ہیں۔ جن کی مدد سے بیماریوں کو سمجھنا۔ علاج کرنا اور آپریشن کرنا بے حد آسان ہو گیا ہے۔ میڈیکل سائنس نے ایسی ایسی ادویات تیار کر لی ہیں۔ جن سے ایسی بیماریوں کا علاج ممکن ہو گیا ہے۔ جو صدیوں سے انسانوں کے لیے موجب ہلاکت تھیں۔ جیسے ملیریا، ٹائیفائیڈ، تپ دِق وغیرہ۔ حال ہی میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے۔ جو مریض کو سُونگھ کر بیماری بتا دیتا ہے۔ ایڈز اور کینسر اس وقت زیرِ تحقیق ہیں اور امید ہے کہ 2000ء میں ان کا تسلی بخش علاج دریافت ہو جائے گا۔ شرح اموات کم ہو جائے گی اور ماحولیاتی آلودگی اور منشیات جیسی لعنتوں پر بھی قابو پا لیا جائیگا جو انسانی صحت کے لیے خطرے کا الارم ہیں۔

شمسی توانائی

سال گزشتہ شمسی توانائی کے تجربے بھی نہایت کامیاب رہے۔ اب نہ صرف ہماری تمام گاڑیاں اور جہاز وغیرہ شمسی توانائی سے چل رہے ہیں بلکہ اکثر کارخانے بھی اسی توانائی کو کام میں لا رہے ہیں۔ گھروں اور ہوٹلوں میں کھانا پکانے، رات کو روشنی کرنے اور کمرے گرم کرنے کے لیے بھی یہی توانائی کام میں آ رہی ہے۔ سائنس دانوں کے سامنے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ سُورج کی

توانائی سے اُس وقت کس طرح فائدہ اُٹھایا جائے، جب اور جہاں سُورج کی شُعاعیں موجُود نہ ہوں۔ جزوی طور پر تو اس کا حل پہلے ہی دریافت کر لیا گیا تھا، لیکن سال گزشتہ اس مُشکل پر پُوری طرح قابُو پا لیا گیا ہے۔ اب سُورج کی شُعاعوں کو اس طرح جمع کر لیا جاتا ہے کہ عرصۂ دراز تک ان سے توانائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ سال سمندری لہروں اور سمندر کے مختلف درجۂ حرارت سے بھی توانائی حاصل کرنے کی کوششوں میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہُوئی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اِن تجربات میں کامیابی کے بعد ہمیں خاصے عرصے تک توانائی کے سِلسلے میں کوئی دِقّت پیش نہ آئے گی اور کوئلہ، پٹرول اور قُدرتی گیس وغیرہ پر ہمارا انحصار کم سے کم ہو جائے گا۔

خلا کی تسخیر

اِنسانی کوششیں ایک طرف سمندر پر قابو پانے میں کافی حد تک کامیاب ہو رہی ہیں تو دُوسری طرف خلا کی تسخیر پر ان کی توجّہ مرکوز ہے۔ گزشتہ سالوں میں فضائی سفر اس قدر زیادہ ہو گیا ہے کہ اس کی ضرُوریات کے مطابق فضائی اڈّے بنانا ناممکن ہو گیا ہے۔ نہ اتنے زیادہ فضائی اڈّے بنائے جا سکتے ہیں اور نہ اتنے بڑے کہ فضائی سفر کی بڑھتی ہُوئی تعداد کے لیے کافی ہوں۔ اس سِلسلے میں کافی غور و خوض کیا جا رہا تھا۔ آخر اس مشکل کا حل سوچ لیا گیا۔ 1992ء میں بیس ہزار میٹر کی بلندی پر ایک فضائی اڈّہ قائم کیا گیا تھا، جہاں سے تمام زمینی اڈّوں تک آنا جانا ممکن تھا۔ 1995ء تک اُن کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ اب 2000ء میں خلا میں ایک خلائی اڈّہ بنا لیا گیا ہے۔ اس مستقل خلائی سٹیشن میں لوگ باقاعدہ قیام کر سکیں گے۔ اُمید ہے کہ یہ خلائی سٹیشن بے حد مفید ثابت ہوگا۔ خلا باز یہاں سے چاند اور اس سے آگے سیاروں کی طرف پرواز کر سکیں گے۔ اس طرح زمین سے بھیجے جانے والے خلائی جہازوں پر خرچ بہُت کم رہ جائے گا۔ یہ خلائی سٹیشن دیگر تحقیقاتی سرگرمیوں اور ادویات کی تیاری کا کام بھی دے سکتا ہے۔ یہاں خلائی دُوربینیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سے ہم کائنات کے دُوسرے کنارے تک جھانک سکیں گے۔ لیکن اس سِلسلے میں سب سے بڑی کامیابی خلا میں ایک فیکٹری کا قیام ہے۔

اس سال خلا میں بے وزنی کے ماحول میں تجرباتی طور پر ایک خلائی فیکٹری بنائی گئی ہے۔ اس فیکٹری میں بڑی بڑی بھاری مشینیں، جن کا زمین پر ہلانا تک بہُت مُشکل

ہے، اِنسانی ہاتھوں سے بہ آسانی ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہیں۔ اس سال چند لوگ صرف سیر کی خاطر چاند تک گئے ہیں۔ یہ سفر ابھی تک خاصا مہنگا ہے، لیکن اُمید ہے کہ صرف چند سال بعد چاند تک کا کرایہ اب کی نسبت بہُت کم ہو جائے گا اور پھر ایک درمیانی طبقہ کا شخص بھی چاند پر جا سکے گا۔ خلائی شٹل کے عام ہونے اور مقبول ہونے کی وجہ سے خلا اور فضا کا سفر بہُت عام اور کم خرچ ہو جائے گا۔

مشینی ایجادات

اس سال دو چیزیں بہُت زیادہ عام ہو گئی ہیں، اور یہ ہیں روبوٹ اور کمپیوٹر۔ اگرچہ تیس چالیس سال پہلے کا اِنسان بھی ان دونوں چیزوں سے واقف تھا اور ان سے کچھ نہ کچھ کام لیتا تھا لیکن موجُودہ دور میں ان دونوں چیزوں نے بہُت ہی زیادہ ترقی کر لی ہے۔ اب تو روبوٹ ہر ہر گھر میں موجُود ہیں۔ کوئی دفتر، کارخانہ، فیکٹری ان سے خالی نہیں۔ یہ ہر کام نہایت صحیح طریقے سے اور بہُت ہی کم وقت میں کر لیتے ہیں۔ خرچ بھی کم آتا ہے اور کام بھی بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اب کمپیوٹر نے بھی بہُت زیادہ ترقی کر لی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اس کا عمل دخل ہے۔ زندگی کا کون سا کام، کون سا رُخ ایسا ہے، جہاں کمپیوٹر ہماری مدد نہ کرتا ہو۔ کسی بھی کتاب کا مسودہ کمپیوٹر کو دے دیجیے، وُہ آپ کو چھپی چھپائی تیار کتاب دے دے گا۔ ایک زبان سے دُوسری زبان میں ترجمہ کرے گا۔ کسی موضُوع پر ضرُوری مواد جمع کرے گا اور پھر اسے باقاعدہ ترتیب بھی دے دے گا۔ موسیقی کی دھنیں بنائے گا۔ آپ کی پسند کی موسیقی ترتیب دے گا۔ یہ ہر قسم کا حساب کتاب کرتا ہے۔ چیزوں کو باقاعدہ ترتیب دیتا ہے۔ غرض ہر وہ کام کر سکتا ہے اور کر رہا ہے جو انسانی دماغ کرتا ہے۔ حساب کتاب کے سلسلے میں تو کیل کولیٹر نے بھی خاصی ترقّی کر لی ہے۔ اگرچہ کیل کولیٹر کو ایجاد ہُوئے تیس چالیس سال ہو چکے ہیں لیکن پندرہ بیس سال پہلے تک اِنسان اس سے بہُت ہی معمولی فائدہ حاصل کر سکا تھا۔ لیکن گزشتہ سالوں میں تعلیمی اداروں اور بنکوں میں اس نے اس حد تک عمل دخل کر لیا ہے کہ اس کے بغیر ان کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنسان کی مصروفیات

اب ان تمام مفید مشینوں کی وجہ سے انسان کے پاس وقت بہت بچ گیا ہے اب وہ اسوقت کو مفید کاموں علم و ادب اور خصوصًا فنُونِ لطیفہ کی تخلیق میں صرف کرتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں اور خاص

طور پر 2000ء میں تقریباً ہر فنِ لطیف نے جس قدر ترقی کی ہے، اتنی ترقی پہلے زمانے میں صدیوں میں بھی نہ کی تھی۔ اب اِنسان سیر و تفریح میں بھی اپنا خاصا وقت صرف کرتا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی۔سی۔آر۔ ہر ہر گھر میں موجود ہیں، بلکہ بعض گھروں میں تو کئی کئی موجود ہیں۔ کسی ٹی۔وی۔ پر کوئی پروگرام آ رہا ہے اور کسی پر کوئی۔ ایک ٹی۔وی پر میچ دیکھا جا رہا ہے، دُوسرے پر ڈرامہ اور تیسرے پر خلائی شٹل کی پرواز سے لُطف اندوز ہُوا جا رہا ہے۔ غرض اِنسان اپنے قیمتی وقت کو بے کار کاموں میں صرف کرنے کی بجائے کارآمد اور لطیف کاموں میں صرف کرتا ہے اور دل و دماغ کو تروتازہ رکھتا ہے۔

انسان کی سیاسی معاشی اور تعلیمی ترقی

گزشتہ دس پندرہ سالوں میں اِنسان نے سیاسی، معاشی اور تعلیمی طور پر بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ 2000ء کے اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ دُنیا کے نوّے فیصد مُلکوں میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہو چکا ہے۔ باقی مُلکوں میں بھی عوام کی رائے کو کاروبارِ سلطنت میں بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ اب یو۔این۔ایک مؤثر ادارہ بن گیا ہے۔ ہر ممبر مُلک کو اس کی تجاویز کا احترام کرنا پڑتا ہے اور وہ اس پر عمل کرنے پر مجبُور ہے۔ سیاسی طور پر 2000ء کا سب سے بڑا کارنامہ ویٹو کا ختم ہو جانا ہے۔ اگرچہ سلامتی کونسل میں مستقل ممبر ابھی تک ہیں، لیکن چونکہ اب ان کے پاس ویٹو پاور نہیں ہے، اس لیے اب وہ اپنی من مانی نہیں کرسکتے۔ ہر بات کا فیصلہ اکثریت سے ہوتا ہے۔ اہم معاملات جنرل اسمبلی میں پیش ہوتے ہیں اور جنرل اسمبلی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ دُنیا کی بڑی طاقتوں کے رویّے میں اب بہت تبدیلی آگئی ہے۔ اب وہ ہر معاملے میں ایک دُوسرے کی مخالفت نہیں کرتیں بلکہ افہام و تفہیم کے ذریعے آپنے معاملات سُلجھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ فضا کی تسخیر میں یہ طاقتیں مشترکہ طور پر کام کر رہی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں ترقی کی رفتار بہت تیز ہے۔ مختلف مُلکوں کے آپس کے تنازعے بہت حد تک کم ہو گئے ہیں، کیونکہ ہر مُلک یو۔این۔کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ فلسطین، کشمیر، قبرص اور اریٹریا میں امن و امان قائم ہو چکا ہے۔ ان کا داخلی اور خارجی انتشار ختم ہو چکا ہے۔ ان کے تمام معاملات کا فیصلہ وہاں کے باشندوں کی مرضی کے مطابق طے کر دیا گیا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ظُلم و ستم کا بازار بند ہو چکا ہے۔ وہاں کے اصلی باشندے اپنی قسمت کے آپ مالک بن چکے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں افریقہ اور جنوبی امریکہ کے بہت سے مُلکوں نے جو ترقی کی ہے،

وُہ قابلِ رشک ہے۔ پندرہ سال میں سیاسی طور پر وہ کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ اب ہر مُلک میں سول حکومت قائم ہے۔ کسی مُلک کو کسی دُوسرے مُلک پر کسی قسم کا کوئی تسلّط حاصل نہیں۔ ایک مُلک میں بھی کسی طبقہ کو دُوسرے طبقے پر کوئی فوقیت نہیں۔ اب تمام دُنیا میں مردوں اور عورتوں کو بالکُل مساوی حقُوق حاصل ہیں۔ مذہب، روایات یا رسم و رواج کے نام پر کسی کا استحصال ممکن نہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خواتین کو مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ گزشتہ سالوں میں خواتین نے بہُت زیادہ ترقّی کی ہے۔ اس سال تقریبًا پچّیس فیصد سربراہانِ مملکت خواتین ہیں۔ کابینہ میں بھی ان کی تعداد بہُت کافی ہے، اگرچہ اپنی تعداد کی نسبت سے وہ خاصی کم ہیں۔ بعض محکموں میں انھوں نے کافی ترقّی کر لی ہے۔ تعلیم اور صحت کے شعبوں وہ بہُت آگے بڑھ چُکی ہیں۔ 2000ء کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ تعلیم کے میدان میں اگرچہ عورتیں ابھی تک مردوں کے برابر نہیں آ سکیں، لیکن جس رفتار سے وہ آگے بڑھ رہی ہیں، اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دس سال میں یہ فرق ختم ہو جائے گا۔ تعلیم کے میدان میں یو۔ این۔ کا یہ فیصلہ بہُت دُور رس نتائج کا حامل ہوگا کہ مُلک کے تمام بچّوں کو ایک ہی معیار کے سکولوں میں تعلیم دی جائے۔ پبلک سکول وغیرہ بالکُل ختم کر دیے جائیں۔ صرف مالی تنگی کی وجہ سے کچھ بچّے اچھّی تعلیم سے محرُوم نہ رہ جائیں۔ ثانوی جماعتوں تک کی تعلیم لازمی اور مُفت ہو۔ بچّوں کو تعلیم نہ دلوانا قانُونی طور پر جُرم ہو۔ یو۔ این۔ کی اس تجویز پر اگرچہ ابھی تک تمام ممالک میں پوری طرح عمل نہیں ہو سکا ہے، لیکن بہُت سے مُلکوں میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اُمید ہے کہ باقی مُلک بھی اس تجویز پر پُوری طرح اور جلد ہی عمل شرُوع کر دیں گے۔

مُعاشی طور پر اِنسان اِس وقت جس منزل پر پُہنچ چکا ہے، اس کا خیال بھی پندرہ سال پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ 2000ء کے اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ اب امیر، متوسط اور غریب طبقوں کی تقسیم بہُت حد تک ختم ہو گئی ہے۔ اُونچے اور نچلے طبقوں کے افراد کی آمدنی میں زیادہ سے زیادہ فرق ایک اور تین کا ہے۔ یو۔ این۔ کی سفارش ہے کہ اس فرق کو اور زیادہ کم کیا جائے۔ اور اگر بعض وجوہ کی بنا پر تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر نہ ہو سکے تو یہ فرق ایک اور دو کی نسبت سے ہرگز نہ بڑھنے پائے۔

چلتے چلتے اِس آنے والے دَور کے کچھ لوگوں سے بھی مِلتے چلیے:

آپ ایک بچّے کو دیکھتے ہیں جو ندی کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ آپ اُسے آواز دیتے ہیں تو وہ پیچھے مُڑتا ہے اور بھاگتا ہُوا آپ کے پاس آ جاتا ہے۔ آپ پُوچھتے ہیں "بچّے! تُم کہاں بھاگے جا رہے تھے؟"

"مَیں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ندی کے اُس پار کیا ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں؟"

"تم یہ کیوں جاننا چاہتے تھے؟"

"نہ امّی کو مجھ سے محبّت ہے نہ ابا کو مُجھ سے دِلچسپی۔ اُن سے مُلاقات ہی بہُت کم ہوتی ہے۔ اور ہوتی ہے تو بس برائے نام۔ وہ میری بات تو سُنتے نہیں اور خود جو باتیں کرتے ہیں وہ میں نہیں سمجھتا۔ میں نے سوچا شاید ندی کا دُوسرا کنارہ ایسا نہ ہو۔ اگر میں ایک ٹیسٹ ٹیوب بے بی نہیں ہُوں تو وہ مجھ سے اتنے لاپروا کیوں ہیں؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں؟"

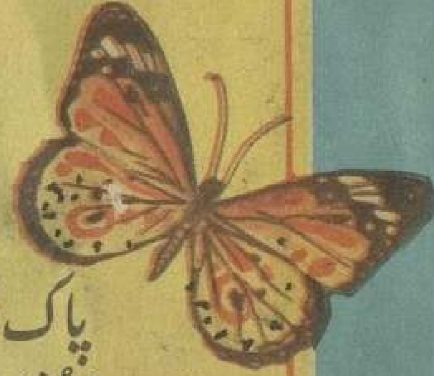
چوک میں ایک درویش چلّا رہا ہے "تم لوگ مشینیں بنتے جا رہے ہو۔ اصل چیز مشین نہیں بلکہ انسان کا جوہر ہے۔ اسے قائم رکھو۔ اپنی اِنسانیت بحال کرو۔" ایک مکان کے اندر سے ایک نوجوان باہر آتا ہے اور کہتا ہے "بابا! یہ کیا شور مچا دیا تُم نے؟ پتہ نہیں کون سے سیّارے سے آ گئے ہو؟ جاؤ کسی وی۔سی۔آر۔ پر نیپچون کا حال دیکھو۔"

دُوسری طرف سے ایک بُزرگ چلے آ رہے ہیں۔ وہ نوجوان سے کہتے ہیں "بیٹا! یہ دُنیا بس نوجوانوں کی دُنیا ہے اور نوجوانوں نے ہم بُوڑھوں کو شوکیسوں کے نمونے بنا کر رکھ دیا ہے۔ مان لیا کہ تم نے کینسر کو قریب قریب فتح کر لیا، مصنوعی جگر تیار کر لیے، ایک روبوٹ کو کم از کم چار آدمیوں کی قوّتِ کار دے دی اور امریکہ میں ان کی تعداد سات ملین اور جاپان میں دس ملین ہو گئی لیکن مزا تب آئے جب تم لوگ غریبی، بیماری، بڑھاپا اور موت کو بھی فتح کر لو۔"

نوجوان کہتا ہے "بابا! ہم اسی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں سدا خُوش حالی، سدا تندرستی، سدا جوانی اور سدا زندگی کا راج ہو! آپ دیکھتے جائیں، کیا سے کیا ہونے والا ہے؟"

یہ ہے "2000ء میں ہماری دُنیا" کی ایک ہلکی سی تصویر۔ یہ تصویر پسند آئی آپ کو؟ کاش ہماری دُنیا ایسی ہو جائے، جلد از جلد، پانچ چھ سال میں!

تیار کردہ بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ۔ منظور شدہ محکمہ تعلیم
حکومت بلوچستان بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ بلوچستان
بمطابق نوٹیفکیشن نمبر۔ 2-7/83-E-OSD/6099 مورخہ۔ 29-4-86
قومی کمیٹی برائے جائزہ کتب نصاب کی تصحیح شدہ



قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالیشان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سر زمین کا نظام قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

سیریل نمبر 4943
کوڈ نمبر SS-VIII/97

ABDUR RASHID
Assistant Educational Adviser
Government of Pakistan
Ministry of Education
Islamabad.

ایڈیشن	قیمت	تعداد	سال اشاعت
اول	14.90	10,000	1996